عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے **ایم فل، علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

محمد ثاقب کیانی

ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:1520 -M.Phil/IS/S18

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر، 2021 ء

عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے **ایم فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

محمد ثاقب کیانی

ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 1520 -M.Phil /IS/ S18

نگران مقالہ

ڈاکٹر مظفر علی

لیکچرر، شعبہ علومِ اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

یہ مقالہ ایم فل علومِ اسلامیہ کی جُزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© (محمد ثاقب کیانی، ۲۰۲۱ء)

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ**

Translation of Title in English and Roman:

A Comparative Study of Tafheem-ul- Qur 'an and Sirat-ul- Jinan Discussions on Family issues

Aaeli Masail Se Muta'liq Tafheem-ul- Qur 'an Awr Sirat –ul Jinan Ke Mubahas Ka Taqabli Mutal'a

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: محمد ثاقب کیانی

رجسٹریشن نمبر: 1520 -M.Phil /IS/S18

ڈاکٹر مظفر علی
(نگران مقالہ) ____________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) ____________ دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس) ____________ دستخط پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ: ____________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں محمد ثاقب کیانی ولد محمد بشیر کیانی

رول نمبر: M.Phil-IS/S/308 رجسٹریشن نمبر 1520-M.Phil /IS/ S18

طالب علم، ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ**

A Comparative Study of Tafheem-ul-Qur 'an and Sirat-ul- Jinan Discussions on Family issues

Aaeli Masail Se Muta'liq Tafheem-ul- Qur 'an Awr Sirat-ul-Jinan Ke Mubahas Ka Taqabli Mutal'a

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر مظفر علی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ سرقہ شدہ نہیں ہے اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: محمد ثاقب کیانی

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ABSTRACT(ملخص مقالہ)

The reality of Islamic teachings is based on the Holy Qur'an, the ***Mufassreen*** played their role in making the Qur'anic mysteries applicable to the times and in understanding the reality of life. That's why I chose contemporary ***Tafaseer*** to understand the nuances of family law in the current context. Because family issues have been taken a different turn over time. The family is the basic unit of society. To maintain it, interpretations of Islam has given us comprehensive principles. The family system is in disarray today. There are clear injunctions in the Qur'an and Sunnah to deal with it. In this regard commentators have an important role to play in providing comprehensive solutions to family problems, among other issues. The researcher has described family issues in a comparative manner in the context of contemporary authentic ***"Tafheem ul Quran by Moulana Moudoodi"*** and ***Tafseer Sirat ul Jinan by Mufti Muhammad Qasim Attari".*** So that, the depth of the issues can be reached and it is easy for the public to reach a conclusion by modern times required.

This research work consists of four chapters and has been compared in the context of donum interpretations to facilities the readers.

The first chapter contains a brief introductions to the commentaries and commentators. The second chapter deals with issues related to Nikah. The third chapter deals with related to Devorce (talaq). The fourth and last chapter deals with issues related to Khula. Comparisons have been made in all the chapters simultaneosly.

A brief discussions and recommendations will be presented at the end.

Keywords: Tafseer, Marriage,Devorce,Revert ,To compare

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
I	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis Accepatance Form)	1.
II	حلف نامہ (Declaration)	2.
III	ملخصِ مقالہ (Abstract)	3.
IV	فہرست عنوانات (Table of Contents)	4.
VI	اظہارِ تشکر (ACKNOWLEDGEMENTS)	5.
VII	انتساب (DEDICATION)	6.
1	مقدمہ	7.
10	**باب اول: صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مناہج و اسالیب اور ان کی خصوصیات**	8.
11	فصل اول: صراط الجنان کا منہج واُسلوب اور خصوصیات	9.
18	فصل دوم: تفہیم القرآن کا منہج واُسلوب اور خصوصیات	10.
27	فصل سوم: صراط الجنان اور تفہیم القرآن کا تقابل	**11.**
32	**باب دوم: نکاح سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل**	12.
33	فصل اول: نکاح کی شرعی حیثیت اور متعلقہ مسائل (حقِ مہر اور نان ونفقہ)	13.
83	فصل دوم: محرمات کا بیان	14.
107	فصل سوم: کتابیہ اور لونڈی سے نکاح	**15.**
122	**باب سوم: طلاق سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل**	16.
123	فصل اول: طلاق کے مسائل واحکام	17.
132	فصل دوم: عدت کے مسائل واحکام	18.

.19	فصل سوم: سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل و احکام کا ربط	159
.20	**باب چہارم : خلع سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل**	**164**
.21	فصل اول: خلع کی وجوہات کے متعلق احکام	165
.22	فصل دوم: خلع کی حیثیت بطور طلاق یا فسخِ نکاح	180
.23	فصل سوم: شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتیں	189
.24	خلاصۂ مقالہ	197
.25	نتائج و سفارشات	202
.26	فہارس	205
.27	فہرست قرآنی آیات	206
.28	فہرست احادیث	208
.29	فہرست اعلام	210
.30	فہرست اصطلاحات	211
.31	فہرست مصادر و مراجع	212

اظہارِ تشکر (ACKNOWLEDGEMENTS)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ أَمَّا بَعْدُ!

بے پناہ حمد و ثناء اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے جو بہت ہی مہربان ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے جس کی رحمت و برکت پوری دنیا پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین کی تفہیم کے لئے چنا اور مجھے اس تحقیقی مقالہ کو تحریر کرنے کے لیے توفیق بخشی۔ درود و سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، اور درود و سلام ہو ان کی آل اور اصحاب پر۔

اس کے بعد میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں کہ جن کی شفقت، محبت، دعائیں اور مالی تعاون ہر لمحہ ساتھ رہا۔ میرے والدین جنہوں نے ہر مشکل موڑ میں میرا ساتھ دیا اور میری راہ میں درپیش مسائل کو انتہائی شفقت سے آسان بنایا۔ میری والدہ محترمہ جنہوں نے اس تمام سفر میں خصوصی تعاون کیا کہ میں اس اہم کام کو مکمل کر سکوں۔

اس کے بعد صدرِ شعبہ ڈاکٹر محمد نور حیات خان صاحب کا دل کی اتھا گہرائیوں سے مشکور ہوں کہ جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں شعبہ علومِ اسلامیہ میں اپنی منزل کی طرف سفر جاری ہے اور جن کی محبت و شفقت اس تحقیقی کام میں شاملِ حال رہی۔ اس کے بعد اپنے مقالہ کے نگران ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا نہایت ہی شکر گزار ہوں جو لمحہ بہ لمحہ میری رہنمائی کرتے رہے اور مجھے اپنے اس تحقیقی کام میں متحرک بنایا۔ اس کے بعد سینئرز کا نہایت ہی مشکور ہوں جنہوں نے تحقیقی کام میں میری رہنمائی کی اور متعلقہ کتب تک رسائی کو ممکن بنایا۔

آخر میں اپنے بہن بھائیوں کا نہایت ہی مشکور ہوں جن کی شفقت، محبت اور دعائیں میرے ساتھ رہیں، خصوصاً اپنے بھائی محمد تنویر کیانی، محمد کبیر کیانی اور محمد آصف کیانی کا بھی نہایت شکر گزار ہوں کہ میرے ایم فل کورس کی تکمیل کے لیے ہر لحاظ سے ان کا تعاون رہا۔

نام طالب علم: محمد ثاقب کیانی

انتساب(DEDICATION)

میں اس تحقیقی کام کو اپنے والدین اور اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں، جن کی دعاؤں، شفقت اور رہنمائی سے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہوا۔

مقدمہ

موضوعِ تحقیق کا تعارف (Introduction of the Topic)

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جب اس کائنات کو وجود بخشا تو اس کے ساتھ ہی انسان کو دیگر مخلوقات سے افضل قرار دیا، صرف یہی نہیں بلکہ اسے عقل وشعور کی عظیم نعمت سے بھی نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات کو انسان کے لئے مسخر کر دیا اور اس کی خدمت کے لئے لگا دیا۔۔ ارشادِ خداندی ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (1)

ترجمہ: (کیا تم نے نہ دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کو اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں)[2]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اسے کامیاب زندگی گزارنے کا پابند بنایا ہے۔ ایسی کامیاب زندگی جس سے ایک مہذب معاشرے کی تشکیل ہو اور ایک ایسا معاشرہ جس میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا ہو سکیں۔

قرآن مجید کا تفسیر کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور تفسیر کی ضرورت و اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں۔ ”قرآن فہمی بہت بڑی عبادت و سعادت ہے لہٰذا تلاوت قرآن کے ساتھ مستند تفاسیر کے ذریعے معانی قرآن بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے“(3)

قرآن مجید اللہ کا ایسا کلام ہے جس میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ قرآن مجید میں دیگر مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی کے اصول وضوابط کا بیان بھی موجود ہے جس کی تعمیل میں معاشرتی امن کا حصول ممکن ہے۔

1۔ لقمان:20

2۔ عطاری، محمد قاسم، **صراط الجنان**، (کراچی: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، باب المدینہ۔2018ء)، ص:7/505

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/35

قرآن مجید کا تفسیر ساتھ گہرا تعلق ہے،اس میں دیگر مسائل و احکام کی تفاسیر کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ ساتھ عائلی مسائل کی وضاحت بھی ہے، اس لیے تلاوتِ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ تفاسیر کے ذریعے معانیِ قرآن بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اب ان مسائل کے حل کی وضاحت کا یہ اہم فریضہ مفسرین ہی سرانجام دے سکتے ہیں، جو اپنے پاس علم کا ذخیرہ رکھتے ہوں، تفسیر کے بنیادی اصول و ضوابط سے آگاہی بھی حاصل ہو اور قرآن فہمی کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تاکہ معاشرے کو درپیش عائلی مسائل کے فتنے سے بچایا جاسکے۔ زیرِ نظر مقالہ میں آیات کا ترجمہ مفتی محمد قاسم طاری اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تصانیف سے اس لیے لیا گیا ہے جو کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں عائلی مسائل کے مشترکات اور متفرقات پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ان مسائل کے جامع حل کے لئے رسائی ممکن ہو۔ مشترک پہلوؤں میں تفسیر کی چند خصوصیات سے متعلق، نکاح کا سنتِ مؤکدہ ہونا، محرمات کا بیان، قرآن مجید میں مذکورہ اہل کتاب سے نکاح، لونڈی کے احکام و مسائل، طلاق کی شرعی حیثیت، طلاق کے بعد اولاد کی کفالت، عدت کے احکام، خلع کے ثبوت سے متعلق بیان، شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتیں، موجودہ فسخِ نکاح سے متعلق حکم اور خلع کی حیثیت بطور طلاق ہیں جبکہ متفرق پہلوؤں میں تفسیر کی چند خصوصیات سے متعلق، نکاح کی مختلف صورتوں کا حکم، کتابیہ سے نکاح، نکاح کے منسلک مسائل (حقِ مہر اور نان ونفقہ)، طلاق کی جدید صورت، سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل کا ربط، خلوتِ صحیحہ کی صورت میں عدت کا حکم، خلع کی عدت سے متعلق حکم وغیرہ شامل ہیں۔

موضوعِ تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ:(Literature Review)

"عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ" ایک ایسا موضوع ہے جس پر اس تحقیق سے پہلے بحث نہیں کی گئی۔

مختلف یونیورسٹیوں میں عائلی مسائل کے جزئیات پر کام ہوا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے۔

1. عائلی نظام قرآن وحدیث اور عصرِ حاضر کے تناظر میں (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، مقالہ نگار: بتول زہرا، نگران مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، سن تکمیل: دسمبر ۲۰۱۵ء

اس مقالہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں عائلی مسائل سے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔ جس میں عائلی نظام کا مفہوم اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ نکاح کی ضرورت و اہمیت اور طلاق کے مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے، اسی طرح دورِ حاضر میں خاندان کے نظم کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور خاندان کے مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔

2. صراط الجنان کا منہج، تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مقالہ نگار: زینتِ اسلم نقشبندی عطاریہ، نگران مقالہ: ڈاکٹر ثناء اللہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، سنِ تکمیل: ۲۰۱۸ء

اس مقالہ میں صراط الجنان کے منہج و اسلوب پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ تفسیر کے مراحل کو آسان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

3. تفسیر معارف القرآن اور تفسیر الکوثر کے موضوعات نکاح و طلاق، مقالہ نگار: محمد حسین، نگران مقالہ: ڈاکٹر ارم سلطانہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، سیشن: ۲۰۱۶ء۔ ۲۰۱۹ء

اس مقالہ میں مذکورہ تفاسیر اور مفسرین کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور نکاح و طلاق کے مسائل کا تقابل کیا گیا ہے اور ان مسائل کے مشترکات پر بھی بحث کی گئی ہے۔

4. تفہیم القرآن اور معارف القرآن کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: غلام محی الدین، نگران مقالہ: ایس ایم شریف، (جی سی یو) فیصل آباد، سیشن: ۱۹۹۳ء۔ ۱۹۹۵ء

اس مقالہ میں مختلف موضوعات کے جزئیات پر سیر حاصل بحث کی گئی اور مذکورہ تفاسیر کے مفسرین کی آراء کا دیگر علماء کرام اور مفسرین کی آراء کی روشنی میں تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

5. سورۂ طلاق کی روشنی میں طلاق کے احکام اور مسائل، مقالہ نگار: زینب بتول، نگران مقالہ: محمد ریاض خان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، سیشن: جنوری ۲۰۰۵ء۔ ۲۰۰۶ء

اس مقالہ میں عائلی مسائل میں سے طلاق کے مسائل اور احکام کو صرف ایک ہی سورۃ (سورۂ طلاق) کی روشنی میں بحث کی گئی ہے جیسا کہ اس مقالہ میں طلاق کا مفہوم اور شرعی حیثیت، طلاق کے احکام، دیگر مذاہب میں طلاق کا تصور اور طلاق کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے اور طلاق کے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

6. تفہیم القرآن میں مذکورہ جدید مسائل کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ نگار: احسان اللہ، نگران مقالہ: ڈاکٹر مطیع اللہ، عبد الولی خان یونیورسٹی، مردان، تکمیل: ۲۰۱۴ء

اس مقالہ میں جدید مسائل کے جزئیات پر سیر حاصل بحث کی گئی اور اس کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا اور تفہیم القرآن کی روشنی میں جدید مسائل سے متعلق اعتراضات کا بھی جواب دیا گیا۔

7. اسلام اور دیگر الہامی مذاہب میں نکاح کی شرعی حیثیت: ایک تقابلہ جائزہ، بنوں یونیورسٹی، صوبہ خیبر پختونخواہ، پاکستان، سنِ تکمیل: ۲۰۱۶ء

مذکورہ مقالہ میں اسلام کی روشنی میں نکاح کی شرعی حیثیت کو احسن انداز سے بیان کیا گیا ہے اور اس کا دیگر الہامی مذاہب میں نکاح کی شرعی حیثیت کا تقابل کر کے اسلام کی افضلیت کو واضح کیا گیا ہے۔

8. خواتین سے متعلق مسائل و احکام کا تجزیاتی مطالعہ (منتخب کتب کی روشنی میں)، مقالہ نگار: فرمین خانم، نگران مقالہ: ڈاکٹر حبیب الرحمان، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، سیشن: ۲۰۱۷ - ۲۰۱۵

مذکورہ مقالہ میں چند کتب کی روشنی میں خواتین سے متعلقہ مسائل نکاح، طلاق وغیرہ پر بحث کرنے کے بعد ان مسائل کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

9. صراط الجنان کا تحقیقی جائزہ، مقالہ نگار: حافظ محمد اعوان عطاری، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد شہباز منج، یونیورسٹی آف سرگودھا، سن تکمیل: ۲۰۱۸

اس مقالہ میں صراط الجنان کے جزئیات پر بحث کی گئی ہے۔

10. تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن کا موازنہ: سورۃ البقرہ کے حوالے سے، مقالہ نگار: رضی اقبال، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد نواز چوہدری، (جی سی یو) فیصل آباد، سیشن: ۱۹۹۱-۱۹۸۹

مذکورہ مقالہ میں دو تفاسیر تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن کی روشنی میں سورۃ البقرہ میں بیان کردہ مختلف مسائل پر بحث کرنے کے بعد ان مسائل کا تقابل کیا گیا ہے تاکہ مسائل کے حل کے لئے عوام الناس تک رسائی ممکن ہو

اس موضوع سے متعلق بیان کردہ مقالہ جات کے علاوہ چند کتب بھی پیش کی جاتی، جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ اسلام کا قانون طلاق اور اس کا ناجائز استعمال، ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق، مکتبۂ حسین، صدیقیہ کالونی لاہور

یہ تصنیف تین حصّوں پر مشتمل ہے۔ جس میں نکاح کی اہمیت پر مفصل بحث موجود ہے، اسی طرح طلاق سے متعلق بحث کی گئ ہے اور مختصراً طلاق کے اسباب اور قرآن وسنت کی روشنی میں حل بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح خلع اور عدت کے احکام کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

2۔ احکامِ نکاح، مولانا محمد علی جانباز، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، 2005ء

یہ کتاب نکاح کی اہمیت وفضیلت اور اس کے متعلقہ مسائل واحکام پر مشتمل ہے۔ جس میں نکاح کی مختلف صورتوں، حقِ مہر، زوجین کے حقوق وفرائض وغیرہ پر مفصل بحث موجود ہے۔

3۔ احکامِ عدت، مولانا محمد علی جانباز، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، 2002ء

یہ کتاب صرف ایک حصہ عدت کے مسائل واحکام پر مشتمل ہے، جس میں عدت سے متعلق مسائل و احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی عدت سے متعلقہ مسائل واحکام سے متعلق فقہاء کرام کی آراء کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ چند آرٹیکلز بھی درج ذیل ہیں۔

1. عائلی زندگی اور اس کے مسائل کے حل (سیرت النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں) حافظ محمد سعد اللہ، جولائی ۲۰۱۶

اس آرٹیکل میں عائلی زندگی کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں جامع حل پیش کیا گیا ہے۔

2. مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۱۲ کی شرعی حیثیت، ڈاکٹر عبد المالک، جولائی ۲۰۱۶

اس آرٹیکل میں صدر ایوب خان کے نافذ کردہ ۱۹۶۱ کا مسلم عائلی قوانین آرڈیننس مجریہ بیان کیا گیا جس کے تحت ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۶ سال کی کم عمر لڑکی کے نکاح کرنے کو جرم سمجھا گیا جو کہ اسلامی تعلیمات کے بر عکس ہے۔ اس آرڈیننس کا قرآن وسنت کی روشنی میں رد کیا گیا۔

3. اسلامی دنیامیں عائلی قوانین کی اصلاح، محمد رشید فیروز،، جولائی ۲۰۱۶ء

اس آرٹیکل میں شریعت اسلامیہ کے منافی عائلی قوانین کو بیان کرنے کے بعد قرآن و سنت کی روشنی میں تدارک کیا گیا ہے۔

بیان کیے گئے مقالہ جات، کتب اور آرٹیکلز سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تحقیقی کام "عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ" ایک جدید کام ہے۔

جوازِ تحقیق:(Rationale of the Study)

عصر حاضر میں عائلی مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ زوجین کے مابین مسائل کی وجہ سے اختلافات اس قدر جنم لے رہے ہیں کہ ان کو حل کرنا عصرِ حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لہٰذا ان مسائل کو تقابلی انداز سے پرکھا جائے تاکہ مفسرین کی فقہی بصیرت کے متعلق صحیح سمتوں میں جانکاری ہو اور معاشرے کے لیے فائدے کا سماں ہو اس حوالے سے موضوع، "عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ" کا انتخاب کیا گیا ہے تاکہ مفسرین کی فقہی آراء سامنے آسکیں اور تقابل کرتے ہوئے بیان کردہ مسائل صحیح سمتوں میں سامنے آسکیں اور اس حوالے سے قوی آراء تک رسائی ممکن ہو۔

بیان مسئلہ:(Statement of the Problem)

خاندان کو اختلافات سے بچانے کے لئے اور خاندان کو مستحکم بنانے کے لیے عائلی مسائل کو قرآن و سنت کی رو سے پیش کرنا اور ان مسائل کو صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔

ضرورت واہمیت: (Significance of the Study)

عائلی مسائل کسی بھی خاندان اور معاشرے کے بنیادی مسائل ہوتے ہیں عائلی زندگی سے مراد خاندانی زندگی ہے اور خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ عائلی مسائل ایسے امور ہیں جن کا جاننا مرد و عورت دونوں کے لئے از حد ضروری ہے۔ عصر حاضر میں ان امور سے لاعلمی کے سبب آج بہت سے مسلم خاندان اذیتیں اور مصیبتیں

برداشت کر رہے ہیں۔ عائلی مسائل کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ جن سے آگاہی ہر فرد کے لیے لازم ہے۔ عصر حاضر میں زیر نظر موضوعِ تحقیق کی بہت ضرورت واہمیت ہے۔

ان مسائل کا حل فقیہانہ انداز سے صراط الجنان اور تفہیم القرآن جو کہ عصر حاضر کی جامع اور مستند تفاسیر خیال کی جاتی ہیں، کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ جس میں جہاں دیگر مباحث میں جامع راہ اختیار کی گئ ہے وہاں عائلی مسائل میں بھی سادہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ یہ تفاسیر دور حاضر کو مد نظر رکھ کر عوام الناس کی سہولت کے لیے تصنیف کی گئ ہیں جس سے ہر شخص دیگر احکام کے ساتھ ساتھ عائلی مسائل کے مباحث کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور اس سے استفادہ حاصل کر کتا ہے۔

مقاصد تحقیق:(Objectives of Study)

اس تحقیق کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں۔

1۔ مفتی محمد قاسم عطاری اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا عائلی مسائل سے متعلق مختلف الآراء کا تطبیقی مطالعہ۔

2۔ تفہیم القرآن اور صراط الجنان کی فقہی اور فکری بنیادوں پر مبنی عائلی مسائل کا تجزیہ سامنے لانا۔

3۔ مذکورہ تفاسیر سے معاصر عائلی مسائل کا تقابل پیش کرنا۔

4۔ مذکور تفاسیر سے جدید عائلی مسائل کا حل تلاش کرنا۔

سوالاتِ تحقیق:(Research Questions)

اس تحقیقی کام کے دائرہ کار کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات زیر بحث ہیں۔

1۔ مفتی محمد قاسم عطاری اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے ہاں نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

2۔ مفتی محمد قاسم عطاری اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے نزدیک نکاح، طلاق اور خلع کی شرعی حدود و قیود کیا ہیں؟

3۔ مفتی محمد قاسم عطاری اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کا عائلی مسائل میں استنباط کا اسلوب کیسا ہے؟

4۔ صراط الجنان اور تفہیم القرآن میں مذکورہ عائلی مسائل سے متعلق ہم آہنگی کیسے ممکن ہے؟

تحدید اور دائرہ کارِ موضوع : (Delimitation of the Study)

عائلی مسائل کی حدود تو بہت وسیع ہیں لیکن ایم فل سطح پر زیر نظر مقالہ میں میں صرف نکاح، طلاق اور خلع کے مسائل پر تقابلی اور تجزیاتی انداز سے بحث کی گئی ہے، جس میں صراط الجنان اور تفہیم القرآن اور مفسرین کا تعارف اور دونوں تفاسیر کے تناظر میں نکاح و طلاق کی شرعی حیثیت، اسی طرح کے نکاح، طلاق اور خلع سے متعلقہ مباحث زیر غور لائے گئے ہیں۔ صراط الجنان اور تفہیم القرآن میں بیان کردہ مباحث کے مشترکات پر بھی بحث کی گئی ہے۔

منہج تحقیق:(Research Method)

زیرِ نظر مقالہ میں درج ذیل اسلوب اور اختیار کیا گیا ہے۔

1۔ زیرِ نظر مقالہ میں قرآن مجید، احادیث، تفسیر صراط الجنان، تفہیم القرآن اور قدیم و جدید مفسرین کی آراء کو بلا تفریق لیا گیا ہے۔

2۔ قرآن مجید کے ترجمے سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن دونوں تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے کیونکہ دونوں عصری تفاسیر ہیں جو روح کی عکاسی کرتی ہیں۔

3۔ زیرِ نظر مقالہ میں تقابلی اور تجزیاتی طریقۂ کار اپنایا گیا ہے۔

4۔ متعلقہ کتب سے بلا امتیاز استفادہ کیا گیا ہے۔

5۔ جید علماء کرام کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے۔

6۔ حوالہ جات اور دیگر طریقۂ تحقیق سے متعلق متعلقہ یونیورسٹی کی پالیسی پر عمل کیا گیا ہے۔

7۔ مختلف لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

8۔ جدید ذرائع تحقیق انٹرنیٹ اور برقی اشاعت سے استفادہ کیا گیا ہے۔

9۔ علماء کرام کے انٹرویوز اس مقالہ کا حصہ بنے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب:(Chapterization of Reseach Theme)

مقالہ ہٰذا(عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ)چار ابواب اور ہر باب کی تین تین فصول پر مشتمل ہے۔ جس میں ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور مذکورہ موضوع سے متعلق قرآن وسنت، قدیم وجدید تفاسیر، فقہاء کرام اور عصری علماء کی آراء کو بھی اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے اور ساتھ ہی مشترکات اور متفرقات پر بھی بحث کی گئ ہے۔ بابِ اول مفسرین اور تفاسیر کے تعارف، تفاسیر کے اسالیب اور ان کی خصوصیات پر مشتمل ہے اسی طرح بابِ دوم نکاح اور اس سے متعلقہ مسائل، بابِ سوم طلاق کے مسائل واحکام جبکہ بابِ چہارم خلع کے مسائل واحکام پر مشتمل ہے۔

باب اول

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مناہج واسالیب اور اُن کی خصوصیات

فصل اول: صراط الجنان کا منہج واُسلوب اور خصوصیات

فصل دوم: تفہیم القرآن کا منہج واُسلوب اور خصوصیات

فصل سوم: صراط الجنان اور تفہیم القرآن کا تقابل

فصل اول

صراط الجنان کا تعارف، منہج واُسلوب اور خصوصیات

صراط الجنان اکیسویں صدی اور دورِ حاضر کی جامع اور آسان زبان میں، عصری تقاضوں کے مطابق تصنیف کی سے ہر عام و خاص کے لئے استفادہ ممکن ہے یہ تفسیر نہ زیادہ طویل اور نہ مختصر ہے بلکہ اوسط سطح کی ہے، جس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے۔

تعارف مفسر

سلیمان سبحانی صراط الجنان کے مفسر کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے متعلق لکھتے ہیں:

1۔ابتدائی زندگی

صراط الجنان کے مفسر مفتی محمد قاسم عطاری ہیں۔ ان کی پیدائش 6 جون 1977ء ،فیصل آباد میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی محمد قاسم، القاب شیخ الحدیث والتفسیر اور مفتی جبکہ کنیت ابو الصالح ہے۔ آپ نے گریجویشن کے بعد ایم اے سال اول کے امتحانات دیے اور فرسٹ ڈویژن حاصل کی جبکہ دینی مصروفیات کے سبب سال دوم کے امتحانات دینے کا آج تک وقت نہیں ملا۔ دینی تعلیم کے حوالے سے 1992،1993ء میں فیصل آباد فیضانِ مدینہ سے پونے دو سال کی مدت میں قرآن پاک حفظ کیا۔ آپ نے 1994ء میں درسِ نظامی (عالم کورس) کے لیے داخلہ لے لیا، ابتداء میں "جامعہ رضویہ" فیصل آباد، پھر جامعہ قادریہ، فیصل آباد اور بعد ازیں " جامعہ نظامیہ رضویہ، میں تعلیم حاصل کی اور آخر میں دورۂ حدیث " جامعہ رضویہ" فیصل آباد" میں کیا۔ ان تمام جامعات سے پاکستان کے صفِ اول کے معروف، جید فاضل علمائے کرام سے علمی اکتساب کیا اس کے ساتھ ہی دینی تعلیم کے ہر مرحلے میں تسلسل کو برقرار رکھا۔ (1)

1۔ https:// www.urdu mehfil.net/Sulemansubhani, Introduction of Mufti Muhammad Qasim Attari /20th may, 2020

2۔ تربیتِ اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹیوں سے نوازا ہے۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے آپ خصوصی توجہ دیتے ہیں، اس لیے انہیں مکمل اسلامی ماحول فراہم کیا، گھر میں نعت و تلاوت و ذکر کا ماحول ہے اور گاہے بگاہے انہیں اچھے اخلاق کی تربیت دیتے رہتے ہیں۔[1]

3۔ اساتذہ کرام

آپ نے اپنے وقت کے جید علمائے کرام سے علمی اکتساب کیا۔ جن میں چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1- علامہ عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
2- شیخ الحدیث مولانا غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ
3- علامہ عبد الستار سعیدی دامت برکتہ العالیہ
4- مفتی نذیر احمد سیالوی دامت برکاتہ العالیہ
5- علامہ صدیق ہزاروی دامت برکاتہ العالیہ[2]

4۔ تلامذہ

آپ سے سینکڑوں طلبۂ کرام نے علمی اکتساب کیا اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو دینی خدمات میں مصروفِ عمل ہیں ان میں چند درج ذیل ہیں:

1- محقق العصر مفتی علی اصغر مدنی
2- مفتی ہاشم خان مدنی
3- نائب مفتی سجاد مدنی
4- سینئر متخصص مولانا ماجد علی

1۔ https:// www.urdu mehfil.net/Sulemansubhani, Introduction of Mufti Muhammad Qasim Attari

2۔ ایضاً

5- سینئر متخصص مولانا شفیق مدنی سرِفہرست ہیں۔[1]

خدمات

عطاری صاحب نے مختلف شعبہ جات میں دنیوی و دینی خدمات سر انجام دیے، جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ تدریس

آپ نے تقریباً آٹھ سال دعوتِ اسلامی کے مختلف جامعات میں تدریس فرمائی جبکہ دارالافتاء اہلِ سنت میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور اب رئیس دارالافتاء اہلسنت اور مجلس تحقیقات شرعیہ کے نگران کے منصب پر فائز ہیں۔[2]

2۔تصنیفات

آپ نے متعدد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے چند منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ان میں چند ذیل میں بیان کی گئی ہیں:

1۔ کنزُالعرفان فی ترجمۃ القرآن، معرفۃ القرآن علیٰ کنزِالعرفان (چھ جلدیں)

2۔ صِراط الجنان فی تفسیر القرآن (دس جلدیں)

3۔ ایمان کی حفاظت

4۔ وقف کے شرعی احکام

5۔ علم اور علماء کی اہمیت قابلِ ذکر ہیں۔[3]

مذکورہ کتب بی دورِ حاضر کا عظیم سرمایہ ہیں، جن کو آسان اردو زبان میں تحریر کیا گیا ہے، تاکہ ہر عام و خاص اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

1-- https:// www.urdu mehfil.net/Sulemansubhani, Introduction of Mufti Muhammad Qasim Attari /20th may, 2020

2 ۔ایضاً

3 ۔ایضاً

صراط الجنان کا منہج و اسلوب

صراط الجنان عطاری صاحب کی تصنیف کردہ ہے اس کا منہج و اسلوب نہایت آسان اور جامع ہے، جو کہ موجودہ وقت کے عین مطابق ہے۔ مذکورہ تفسیر میں جہاں دیگر مسائل اور احکام کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے وہاں عائلی مسائل اور احکام کو بھی آسان اور جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ ایک قاری کے لیے کسی مسئلے کو سمجھنے میں الجھن و دشواری نہ ہو بلکہ سہولت کا سماں ہو۔ یہ تفسیر ہر خاص و عام فرد کے لیے ہے خود اس تفسیر کے مفسر محمد قاسم عطاری اپنی تفسیر کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک ایسی تفسیر منظر عام پر آئے جسے اہل علم کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی آسانی سے پڑھ سکیں تاکہ انہیں بھی قرآن پاک کا فہم حاصل ہو اور وہ قرآن کریم کے احکامات، ممنوعات اور دیگر تعلیمات سے واقفیت حاصل کر سکیں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے "صراط الجنان "کو تصینف کیا گیا ہے۔ [1]

صراط الجنان کی خصوصیات

صراط الجنان دور حاضر کی ایسی تفسیر ہے جو کہ دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہے، مذکورہ تفسیر جہاں بہت اہمیت کی حامل ہے وہاں اس کی چیدہ چیدہ خصوصیات بھی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

1۔ قرآن مجید کی ہر آیت کے تحت دو ترجمے

صراط الجنان کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کے تحت دو ترجمے ذکر کیے گئے ہیں، ایک امام احمد رضا خانؒ کا کیا ہوا ترجمہ "کنزالایمان" ہے اور دوسرا موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق عطاری صاحب کی وساطت سے آسان اردو زبان میں کیا گیا ترجمہ "کنزالعرفان" ہے۔ [2]

2۔ قدیم و جدید تفاسیر اور دیگر علوم اسلامیہ پر مشتمل تفسیر

صراط الجنان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ قدیم و جدید تفاسیر اور دیگر علوم، لغت، فقہ کلام اور فلسفہ پر مشتمل ہے جس میں علماء کرام بالخصوص امام احمد رضا خانؒ کی لکھی ہوئی کثیر کتابوں سے

---

1 عطاری، محمد قاسم، **صراط الجنان**، (کراچی: مکتبۃ المدینہ ، فیضانِ مدینہ، باب المدینہ۔2018ء)، ص:1/37

2 ۔ایضاً

کلام اخذ کرتے ہوئے سوائے چند ایک مقامات کے بحوالہ کلام لکھا گیا، نیز ان بزرگوں کے ذکر کردہ کلام کی روشنی میں بعض مقامات پر اپنے انداز اور الفاظ میں کلام ذکر کیا گیا ہے۔[1]

3۔ خلاصہ کلام نقل کرنے پر اکتفاء

صراط الجنان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کتب تفاسیر سے حوالہ جات ڈالنے میں ہر جگہ بعینہ عبارتوں کا ترجمہ کرنے کا التزام نہیں گیا بلکہ بہت سی جگہوں پر خلاصہ کلام نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، اور جہاں ایک بات کئی تفاسیر سے نقل کی گئ ہے وہاں اس تفسیر کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جس سے زیادہ تر مواد لیا گیا ہو۔[2]

اس تفسیر میں بہت سی جگہوں پر جو خلاصہ کلام نقل کیا گیا ہے وہ دورِ حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر انسان کا مزاج مختلف ہوتا ہے صراط الجنان میں اس بات کا خاص طور پر یہ التزام کیا گیا ہے کہ تفسیر نہ زیادہ طویل ہو اور نہ زیادہ مختصر بلکہ متوازن سطح کی ہو جسے ہر عام و خاص مطالعہ کر کے مسائل و احکام کو سمجھ کر انہیں اپنی عملی زندگی میں نافذ کر مستفید ہو سکتا ہے۔

4۔ مفتیان کرام کے شاہکار تفسیری حاشیے کو بیان کرنا

صراط الجنان کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ کا شاہکار تفسیری حاشیہ " خزائن العرفان " تقریباً پورا ہی اس تفسیر میں شامل کر دیا گیا ہے اوراس کے مشکل الفاظ کو آسان الفاظ میں بدل کر کلام کی تخریج اور تحقیق بھی کر دی گئ ہے۔ نیز مفتی احمد یار نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کے حاشیہ "نور العرفان" سے بھی بہت زیادہ مدد لی گئ ہے اور اس کے اکثر و بیشتر حصے کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔[3]

اس تفسیر میں لیا گیا مختلف تصانیف سے مواد کو محمد قاسم عطاری نے آسان لفظوں میں تخریج کر کے ہر عام و خاص کے لئے پیش کیا ہے جو کہ وقت کا تقاضا بھی ہے کیونکہ مختلف ذہنی سطح رکھنے والے لوگ پائے جاتے ہیں اور اس طرح یہ تفسیر ہر ایک کے لئے صحیح راستے کا سماں ہے۔

---

1 ۔ عطاری، محمد قاسم، ص: 1/ 37

2 ۔ ایضاً

3 ۔ ایضاً

5۔ متوسط اور جامع تفسیر

فی زمانہ عوام الناس مختلف طبیعت کے لوگ پائے جاتے ہیں، اسی طرح مختصر حواشی سے قرآنی آیات کا معنٰی و مفہوم سمجھنے میں بڑی دشواری کا سامنا ہوتا ہے، ان کی اس پریشانی کو سامنے رکھتے ہوئے "صراط الجنان" میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ تفسیر نہ زیادہ طویل ہو اور نہ ہی بہت مختصر بلکہ متوسط اور جامع ہو، نیز اس میں علمی اور فنی ابحاث سے گریز کیا گیا ہے جنہیں جاننے میں عوام الناس کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا، البتہ جہاں آیت کی تفہیم کے لیے جس علمی اور فنی بحث کی ضرورت تھی وہاں اسے حتی الامکان آسان انداز میں ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔(1)

6، معاشرے کی اصلاح

صراط الجنان کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں شرعی احکام و مسائل کا بیان ہے وہاں تفسیر میں ضروری مسائل آسان انداز میں بیان کیے گئے ہیں، جہاں اعمال کی اصلاح کا ذکر ہو اوہاں اصلاح اعمال کی ترغیب و ترہیب، جہاں جہنم کے عذابات اور جنت کے انعامات کا ذکر ہو اوہاں عذاب جہنم سے بچنے اور جنتی نعمتوں کے حصول کی ترغیب پر مشتمل مضامین لکھے گئے ہیں، نیز باطنی امراض سے متعلق بھی قدرے تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ اسلامی حسن معاشرت سے متعلق امور جیسے والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور پڑوسیوں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے سے متعلق بھی بہت سا اصلاحی مواد شامل کیا گیا ہے۔(2)

7۔ اہم نکات پیش کرنا

صراط الجنان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی آیات سے حاصل ہونے والے نکات اور معلوم ہونے والی اہم اور ضروری باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔(3)

اس میں قرآن مجید کی آیات سے جن اہم نکات کو بیان کیا گیا ہے اس سے ایک قاری کو مطالعہ کرنے کے دوران قرآن کی آیات کو سمجھنے میں کسی بھی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کیونکہ اہم نکات واضح سے ایک قاری کے ذہن میں موجود اشکالات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صراط الجنان میں سورہ النساء کی آیت ۴ میں حق مہر کے متعلق

---

1 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/37

2 ۔ ایضاً

3۔ ایضاً

اہم نکات کو احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مطالعہ کرنے سے ایک قاری حق مہر کے متعلق احکام تک رسائی حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔[1]

صراط الجنان کے متعلق جید علماء کی آراء

صراط الجنان کو متعلق مختلف علماء نے سراہا ہے ذیل میں علماء کے تاثرات کو اقوال کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ مفتی محمد ابراہیم قادری کے نزدیک یہ ایسی تفسیر ہے، جس میں صرف نحوی، لغوی، تحقیقات اور پیچیدہ ابحاث سے اجتناب کیا گیا ہے اور ان کی نظر میں یہ تفسیر مبلغینِ واعظین، اسکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کے طلبۂ کرام اور عامتہُ الناس کے لئے بہت مفید ہے۔[2]

2۔ مولانا محمد اسماعیل قادری کے نزدیک تفسیر صراط الجنان ایک جامع تفسیر ہے۔ وہ اس تفسیر کے مطالعے کے کچھ حصے سے متاثر ہوئے اور یہ ارداہ کیا کہ مزید اس تفسیر کا مطالعہ کروں گا۔ مزید کہتے ہیں کہ دیگر عوام الناس، طلبۂ کرام اور علمائے کرام سے بھی ادباً مشورہ ہے کہ وہ بھی اس تفسیر کا مطالعہ کرتے رہیں۔ ہر تفسیر سے نئے جواہر حاصل ہوں گے اس لئے مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔[3]

3۔ محمد اکرام مدنی کو صراط الجنان فی تفسیر القرآن کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کے نزدیک یہ تفسیر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق عام فہم انداز میں جامعیت سے بھرپور ہے۔ جس سے ہر شخص فائدہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ یہ تفسیر دقیق اور فنی ایجادات سے خالی ہے۔[4]

صرااط الجنان کے متعلق مذکورہ آراء سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر جامعیت سے بھرپور ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/ 37

2۔ قادری، محمد ابراہیم، **صراط الجنان کے متعلق رائے**، سکھر: جامعہ غوثیہ رضویہ، انٹرویو کنندہ: محمد اکرام مدنی، 3 جون، 2021ء

3۔ قادری، محمد اسماعیل، **صراط الجنان کے متعلق رائے**، مدرس (دارالعلوم امجدیہ بابُ المدینہ، کراچی، انٹرویو کنندہ: محمد اکرام مدنی، 3 جون 2021ء)

4۔ محمد اکرام، **صراط الجنان کے متعلق رائے**، مدرس: جامعۃ المدینہ، (بھمبر: انٹرویو کنندہ: محمد ثاقب کیانی، 3 جون 2021ء)

فصلِ دوم

تفہیم القرآن کا تعارف، منہج واُسلوب اور خصوصیات

تفہیم القرآن بیسویں صدی کی معروف تفسیر ہے جسے عوام الناس میں پذیرائی حاصل رہی ہے اور دورِ حاضر میں بھی جامع تفسیر خیال کی جاتی ہے۔اس تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے پیشِ نظر اسے مرتب کیا گیاہے اور جسے علماء نے بھی سراہاہے۔

تعارفِ مفسر

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (1903ء-1979ء) ایک معروف مفسرِ قرآن اور مفکر ہیں، جنھوں نے اسلام کی جدوجہد کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ آپ دورِ حاضر کے اسلامی تحریک کے علمبردار بھی تھے۔مولانا مودودیؒ کا یہ نقطۂ نظر تھا کہاسلام کا آفاقی پیغام پوری دنیامیں نوعِ انسانی کے لئے ہے۔[1]

1۔مولانا مودودیؒ کا بچپن

مولانا مودودیؒ اکا بچپن بیان کرتے ہوئے ان کے بڑے بھائی ابو الخیر مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

”ابو الاعلیٰ ایک لائق بچہ تھا۔ابتدائی عمر سے ہی مذہبی عمر سے دلچسپی تھی۔چار سال کی عمر میں والدِ محترم کے ساتھ مسجد میں پانچ وقت کی نکاز ادا کرنے کا معمول تھااور اس عمر میں ہی قرآن مجید کی تقریباً 130 آیاتِ مبارکہ حفظ ہو چکی تھیں جبکہ روزے بھی کم سنی میں رکھنا شروع کر دیئے تھے۔ایک دن صبح اٹھاتو اس کا روزہ تھاتو گھر والوں کے اصرار کے باوجود بھی وہ وزے کی حالت میں تھا، روزہ نہیں تورا“[2]

2۔عزم وبہادری

دورِ آزمائش میں مولانا مودودیؒ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کو قائم رکھا اور کامیابی نصیب ہوئی، انہوں نے اخبار نویسی میں انگریزی زبان کو سیکھنے کا ارادہ کیا تو اتفاق سے ایک استاد مولوی محمد فاضل سے ملاقات ہوئی

---

1 ۔ابو الخیر، مودودی، ہفت روزہ آئین، **سید مودودی کا بچپن**، شمارہ 8، (1968ء) ص:11/227

2۔ عبد الرحمن عبد، **مفکرِ اسلام سید ابو الاعلیٰ مودودی**، (لاہور: ادارہ المعارف اسلامی، 1991ء) ص: 61-60

جنہوں نے ان کی طبیعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک ایسی کتاب سے ابتدا کروائی جو کبھی میٹرک میں پڑھائی جاتی تھی ۔یہ تعلیم محدود تھی اور اس عرصے میں مولوی محمد فاضل کی توجہ حاصل نہ رہی لیکن اس کے بعد خود سے انگریزی اخبارات ورسائل وغیرہ کا مطالعہ شروع کیا اور اس قابل ہو گئے کہ انگریزی اخبارات کا مطالعہ کے دوران کسی بھی قسم کی دقت کا سامنانہ کرنا پڑا۔[1]

بی بی سی کے رپورٹر وسعت اللہ خان مولانا مودودیؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وہ معروف مذہبی سکالر اور مبلغِ اسلام تھے۔ان کا شمار بیسویں صدی کے صفِ اول کے موثر اسلامی فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ان کی زندگی اور نظریات کو دنیا بھر میں مسلمان اور غیر مسلم محققین نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔وہ ایک وسیع العلم شخصیت تھے جن کی تحریروں نے عالمِ اسلام میں اسلامی اقدار اور روحِ اسلام کو اجاگر کیا۔انھیں کنگ فیصل ایوارڈ اسلامی صحافت کے فروغ اور برصغیر میں اسلامی نظریات کے احیا کے اعتراف میں عطا کیا گیا"[2]

مولانا مودودیؒ کی خدمات

مولانا مودودیؒ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی علمی قابلیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تما صلاحیتوں کو دینِ حق کی خدمت کے لئے کئی خدمات سرانجام دیں۔ان کی زندگی میں بہادری کی جھلک نمایاں ہے۔مولانا مودودیؒ نے اصلاح معاشرہ اور تربیت کے لئے اپنی صلاحیتوں کو احسن انداز سے پیش کیا، ذیل میں چند خدمات کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔اُنہوں نے نہ صرف بیانیہ بلکہ قلم کے ذریعے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف مائل کیا۔

1۔مولانا مودودیؒ بطور صحافی

مولانا مودودیؒ لکھنے کی اچھی مہارت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے قلم کے ذریعے اپنے خیالات لوگوں تک پہنچائے۔بطور ایک صحافی انہوں نے اپنی عملی زندگی کی ابتداء کی اور کئی اخبارات میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔آپ

---

1 ۔ محمد یوسف، مودودیؒ اپنوں اور دوسروں کی نظر میں، ص:57

2- https://www.bbcurdu.com/Karachi/9th December,2015

نے جن اخبار میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا، ان میں "مدینہ" بجنور (1948 ،جمعیتِ علماء ہند کے ترجمان "مسلم" دہلی (1921ء) وغیرہ شامل ہیں۔[1]

2۔ الجہاد فی الاسلام لکھنے کا عظیم کارنامہ

جس وقت مولانا مودودیؒ "الجمعیۃ" کے مدیر تھے تو سوامی نامی شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی جس میں مسلمان کو ہندو بنانا مقصود تھا۔ ہندو دینِ اسلام کو نقصان پہنچانا شروع ہو گئے اور علی الاعلان یہ کہا جانے لگا کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے۔ اسی دوران مولانا محمد علی جوہر نے جامع مسجد دہلی میں خطاب کیا جس میں انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا کہ کاش کوئی شخص جہادِ اسلام کی وضاحت کرے تا کہ اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو ختم کیا جائے۔ اس پر مولانا مودودیؒ نے "**الجہاد فی الاسلام**" کے نام سے ایک تصنیف لکھی۔ مولانا مودودیؒ اس وقت 24 برس کے تھے۔[2]

3۔ ترجمان القرآن

اسلامی تعلیمات کی احیاء اور ترویج کے لئے اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ ایک ایسا رسالہ ہو جس کے ذریعے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا مقصود ہو تو اس حوالے سے رسالہ "ترجمان القرآن" جاری گیا ہے۔ سید اسد گیلانیؒ اس حوالے سے کچھ یوں لکھتے ہیں:

> "ترجمان القرآن کے نام سے تقریباً ڈیڑھ سو سال سے ایک ماہنامہ شائع ہو رہا تھا جسے عالم گیر تحریکِ قرآنی کے علمبردار مولوی ابو محمد مصلح چلاتے تھے۔ قرآنی پیغام کی اشاعت کے لئے ترجمان القرآن ایک مناسب نام تھا. اس لیے سید مودودیؒ نے وہ پرچہ مولوی صالح سے لے لیا اور اسے اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ 1932ء سے لے کر اب تک اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری وساری ہے"[3]

1۔ محمد یوسف، مودودیؒ اپنوں اور دوسروں کی نظر میں، ص:46

2۔ پوری، آباد شاہ، **تاریخ جماعتِ اسلامی**، (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ، ستمبر، 2013ء) ص:199

3۔ گیلانی، سید اسد، تاریخ جماعتِ اسلامی، (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، 1990ء) ص:123۔122

4۔ مولانامودودیؒ بطور معلم

مولانامودودیؒ کادورِ معلمی بہت سی خصوصیات کا حامل تھا۔اُنہوں نے اپنے اندازِ بیان سے دیگر اساتذہ کرام کو متاثر کیا،جب مولانا مودودیؒ لاہور میں تھے تو اس وقت انجمن حمایتِ اسلام کی فرمائش پر مولانا مودودیؒ نے اسلامیہ کالج لاہور میں کچھ عرصہ کے لئے معلمی کے فرائض سر انجام دیئے اور وقت کی پابندی کو ملحوظِ خاطر رکھا تو پرنسپل خواجہ دل محمد نے اسلامیہ کالج لاہور کی سالانہ تقریب کی رپورٹ میں ستمبر 1939ء میں مولانامودودیؒ کو ان الفاظ میں خوش آمدید کہا:

"اس کالج میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کو اسلامی تعلیمات کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس ادارے کو اعزازی طور پر اعزازی طور پر خدمت کی پیش کش کا جذبۂ ایثار کا اظہار کیا ہے۔ ہم ان کے اس جذبے کا دل سے احترام کرتے ہیں اور ان کے مشکور بھی ہیں۔ کل سے اس معروف محقق کو شعبۂ اسلامیات کے فرائض سپرد ہیں"[1]

تفہیم القرآن کا منہج و اُسلوب

تفہیم القرآن مولانا مودودیؒ کی تصنیف کردہ تفسیر ہے۔ہے۔اس کا درجہ جدید تفاسیر میں بہت بلند ہے۔ اس کا اسلوب ایک قاری کے لیے انتہائی کشش رکھتا ہے۔مولانامودودیؒ کے پیش نظر اس تفسیر کا مخاطب جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ان کا تفسیری خاکہ کچھ اس طرح ہے:

" ان کے پیش نظر وہ علماء نہیں ہیں جو عربی زبان کے ماہر اور دینی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے بہت کچھ ساماں دستیاب ہے،بلکہ وہ ان اوسط درجہ کے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں جو عربی زبان سے صحیح طرح واقفیت نہیں رکھتے اور جن کے لیے قرآن مجید کے وسیع ذخائر سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں"[2]

تفہیم القرآن کا منہج و اسلوب اس وجہ سے اہمیت کا حامل ہے کہ صرف عربی زبان کے ماہر اور دینی تعلیم سے فارغ التحصیل طبقہ کے لئے اس تفسیر میں غور و فکر کا معتدبہ مواد موجود ہے بلکہ ان لوگوں کے لیے خصوصاً اس تفسیر

---

1 ۔گیلانی،تاریخ جماعتِ اسلامی،ص:253

2۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ، **تفہیم القرآن**،(لاہور:دارہ ترجمان القرآن)،ص:1/ 5

میں تعلمی وتربیت اور دعوتِ دین کا بہت کچھ مل جاتا ہے۔ لہٰذا مولانا مودودیؒ نے اس بات کو خصوصاً مد نظر رکھا ہے کہ ان لوگوں کی خدمت کی جائے جو عربی زبان سے ناواقف ہیں ۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر خصوصی امتیاز رکھتی ہے، کہ جدید تعلیم یافتہ اس سے دین کے لحاظ مستفید ہوتے ہیں اور یہ جھلک اس میں نمایاں ہے۔

تفہیم القرآن کی خصوصیات

مولانا مودودیؒ نے اپنی تفسیر" تفہیم القرآن" سے اسلامی ادب کو خوب نکھارا۔ ان کی تفسیری فکر کی جھلک قرآن حکیم کے ترجمے اور حواشی کی شکل میں نمایاں ہے۔ ان کی تفسیر مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

1۔ آسان طرز پر لکھی گئی تفسیر

مولانا مودودیؒ کی تفسیر، "تفہیم القرآن" کی خصوصیات میں سب سے اہم صفت یہ ہے کہ یہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تصنیف کی گئی ہے۔ مولانا مودودیؒ میں یہ مہارت ہے کہ وہ مسائل کو آسان زبان میں عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ [(1)]

یہ خصوصیت قابل ترجیح ہے اگر چہ اس تفسیر میں مسائل و احکام کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے لیکن اس مسائل کو آسان پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے جو کہ وقت کے کی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔

2۔ تفسیر کا مخاطب طبقہ

تفہیم القرآن کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ طبقے کو مخاطب کیا گیا ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں اس حوالے سے بیان کیا گیا ہے، جسے یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے:

ان کے پیش نظر وہ علماء نہیں ہیں جو عربی زبان کے ماہر اور دینی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے بہت کچھ ساماں دستیاب ہے، بلکہ وہ ان اوسط درجہ کے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں جو عربی زبان سے صحیح طرح واقفیت نہیں رکھتے اور جن کے لیے قرآن مجید کے وسعی ذخائر سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ [(2)]

---

1 ۔ عبد الحکیم، شرف الدین، **قرآن حکیم کے اُردو تراجم**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ،،2017ء)، ص:356

2 ۔ عبد الحکیم، **قرآن حکیم کے اردو تراجم**، ص:356

مولانا مودودیؒ کا یہ نکتہ روح کی عکاسی کرتا ہے۔

3۔ فہم قرآن کی سہولتیں

مولانا مودودیؒ نے قرآن مجید سے استفادہ کے لئے جہاں آسان زبان استعمال کی ہے وہاں مضامین کا اشاریہ فراہم کر کے استفادے کی سہولت بہم پہنچائی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ایک مفسر کی حیثیت سے دور حاضر کو مد نظر رکھ کر قرآن کو سمجھنے کے حوالے سے ایک راہ کی طرف مائل کیا۔ آپ نے نہ صرف اسلام کی جامعیت اور ہدایت کا موثر ابلاغ کیا ہے بلکہ دور حاضر میں تفہیم دین کے لئے نئی زبان بھی متعارف کرائی ہے۔

4۔ مقدمے اور دیباچے کی خصوصیت

تفہیم القرآن کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا طویل اور بصیرت افروز مقدمہ ہے، جس میں مولانا مودودیؒ نے مطالعہ قرآن کے دوران میں پیدا ہونے والے ممکنہ سوالات کے جوابات دیے ہیں اور یہ واضح کیا کہ قرآن اپنے موضوع، اور ترتیب کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔

اس حوالے سے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

1۔ مولانا مودودیؒ قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قرآن باقی کتابوں کی طرح عام کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اپنے مضمون اور ترتیب کے لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے، اس کی تفہیم کے لیے ضروری ہے اسے عام کتاب نہ سمجھا جائے اور اسے سمجھنے کے لئے پہلے سے قائم کئے ہوئے قیاسات کو ذہن سے نکال کر اس کی خصوصیات سے روشنی حاصل کرو[1]

2۔ مولانا مودودیؒ کا انسانی جسم کی ساخت کے حوالے سے یہ نظریہ ہے:

انسانی جسم کا ایک رونگٹا اور ایک خلیہ وہ کام سیکھ کر پیدا ہوا ہے جو اسے انسانی جسم میں انجام دینا ہے پھر انسان بجائے خود اپنے خالق کی تعلیم ور ہنمائی سے بے نیاز یا محروم کیسے ہو سکتا ہے۔[2]

3۔ مولانا مودودیؒ قوت گویائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

1 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/12

2 ۔ ایضاً، ص:1/249

کسی شخص میں قوت گویائی نہیں بلکہ اس کے پیچھے عقل و شعور، فہم ادراک، تمیز و ارادہ اور دوسری قوتیں کار فرما ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کی قوت ناطقہ کام ہی نہیں کر سکتی، اس لیے بولنا دراصل انسان کے ذی شعور اور ذی اختیار مخلوق ہونے کی صریح علامت ہے[1]

1- اسی طرح روح کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ " مولانا مودودیؒ روح کو انسانی جسم کو متحرک بنانے کے ساتھ مشروط نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک روح سے مراد وہ جوہر ہے جس میں فکر، شعور، ارادہ اور فیصلہ جیسے اوصاف جنم لیتے ہیں۔ یہ

اوصاف کسی بے علم اور بے اختیار ماخذ سے انسان کے اندر جنم نہیں لیتے"[2]

محمد جاوید اصغر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج جہانیاں تفہیم القرآن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں کہ " تفہیم القرآن میں ہر سورۃ کا دیباچہ بیان کیا گیا ہے جو قرآن فہمی میں آسانی پیدا کرتا ہے اور قاری کے سامنے وہ سارا ماحول، پس منظر کو بیان کرتا ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا۔ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے ہر سورۃ کے ابتداء میں اس سورۃ کا نام، نام کی مناسبت، وجہ تسمیہ، زمانہ شان نزول، اجزائے مضامین اور اہم نکات لکھ کر قاری اور قرآن میں ایک گہرا ربط پیدا کیا ہے۔ بقول، پروفیسر خورشید احمد: " تفہیم القرآن میں شان نزول کے مواد کو بڑے عمدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے "[3]

5۔ سورتوں کا ربط:

تفہیم القرآن کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا مودودیؒ نے سورتوں کے ربط کا خیال رکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک قاری تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکے، مثال کے طور پر تفہیم القرآن میں سورۃ طلاق میں بیان کردہ مسائل کا سورہ بقرۃ سے ربط قائم کیا گیا ہے اور اس کی وجوہات بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

جیسا کہ مولانا مودودیؒ اس حوالے سے لکھا ہے:

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/249

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:4/41

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:6/108

"اس سورت کے مضمون کی اندرونی شہادت سے ظاہر ہے کہ اس کا نزول لازماً سورۂ بقرہ کی آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ دیے گئے تھے۔ بہر حال روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سورۂ بقرہ کے احکام کو سمجھنے کے لیے لوگ غلط فہیوں کا شکار ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اان کی اصلاح کے لیے ہدایات آیات نازل فرمائیں" [1]

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے لکھاہے:

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ میں جو عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں ان آیات کے بعد سورۂ طلاق کا نزول ہوا[2]

6۔اہم نکات ذکر کرنا

تفہیم القرآن کی ایک اہم خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا مودودیؒ نے تفسیر کرتے وقت اہم نکات کو ملحوظ خاطر رکھاہے تاکہ ایک قاری کے لیے تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت کسی بھی دقت کا سامنا نہ ہو۔ جیسا کہ سورہ النساء کی تفسیر کرتے ہوئے جو اہم نکات ذکر کرتے ہیں، درج ذیل ہیں:

1- سورہ النساء کا نزول مختلف خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً ۳ ہجری کے اواخر سے لے کر 4 ہجری کے اواخر یا 5 ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہیں۔[3]

2- جنگ اُحد کے بعد وراثت کی تقسیم اور یتیموں کے حقوق کے متعلق ہدایات کا نزول ہوناجب کہ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوگئے تھے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں اس حادثے کی وجہ سے بہت سے گھروں میں یہ سوال پیدا ہوگیا کہ شہید کی میراث کس طرح تقسیم کی جائے۔[4]

3- روایات میں صلوٰۃِ خوف (عین حالت جنگ میں نماز پڑھنے) کا ذکر ہمیں غزوات الرقاع میں ملتا ہے جو ۴ ہجری میں ہوا۔ اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اسی کے لگ بگ زمانہ میں وہ خطبہ نازل ہوا جس میں اس نماز کی ترکیب بیان کی گئی ۔[5]

---

1 ۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:550/5

2 ۔الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** (لاہور: القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ربیع الثانی، 1400ھ)، ص:271/5

3 ۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:316/1

4۔ ایضاً

5 ۔ایضاً

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے کس احسن انداز سے تفسیر کرتے ہوئے اہم نکات کو ملحوظِ خاطر رکھا تاکہ دورانِ مطالعہ کسی بھی دقت کا سامنا نہ ہو اور آیات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ آجائے۔ الغرض یہ تفسیر دورِ حاضر کی اہم تفسیر ہے جو بہت سی خصوصیات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

تفہیم القرآن کے متعلق جید علماء کی آراء

ذیل میں تفہیم القرآن کے متعلق علماء کے اقوال بیان کیے گئے ہیں، جس سے اس تفسیر کی اہمیت کا اندازا کیا جا سکے۔

1۔ بقول، سید حامد عبد الرحمٰن الکاف: اس تفسیر کا مقدمہ بذات خود قابل ستائش کارنامہ ہے جو نہ صرف بہت ساری علمی و فکری اور نفسیاتی رکاوٹوں کا ازالہ کرتا ہے جو قرآن فہمی کی راہ مسدود کرتی ہیں بلکہ ان رکاوٹوں اور مشکلات کو قابو پانے کے بعد یہ مقدمہ ناظر اور قاری کو اس کی تعلیمات کی طرف بلانے والا بھی ہے [(1)]

2۔ محمد اسماعیل کے نزدیک تفہیم القرآن نے دنیائے انسانیت کے ایک خاصے حصے کو متاثر کیا ہے، نہ صرف جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بلکہ مدارسِ عربیہ کے فارغین کے ذہنوں کو بھی کھولا وسعتِ فکر و نظر سے روشناس کیا ہے۔[(2)]

3۔ مولانا عامر عثمانی کے نزدیک تفہیم القرآن مقبولیت کا ایسا ریکارڈ رکھتی ہے جو اردو کی کسی تفسیر کے حصہ میں نہیں آیا۔ اس کا کمال یہ ہے کہ جتنی عوام کے لیے دلکش اور مفید ہے اتنی ہی خاص اور اہل علم کے لیے پرکشش ہے۔[(3)]

تفہیم القرآن کے اُسلوب اور اس کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ یہ تفسیر جامعیت سے بھرپور ہے۔

1۔ چارلس، جے ایڈمنز، **تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن بشمولہ، ابو الاعلیٰ مودودیؒ، علمی و فکری مطالعہ**، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی 2006ء)، ص:144

2۔ فلاحی، محمد اسماعیل، **تفہیم القرآن ایک مطالعہ**، (22 اپریل 2016ء)

3۔ عبد الشکور، **تفہیم القرآن علماء کی نظر میں**، (دہلی: اسلامی کتاب گھر، دریا گنج، س، ن)، ص:47

فصل سوم

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کا تقابل

صراط الجنان اور تفہیم القرآن جو کہ عصر حاضر کی جامع اور مستند تفاسیر خیال کی جاتی ہیں، ذیل میں ان کا تقابل کیا جارہا ہے۔

ا۔ قرآنی آیات کا ترجمہ

صراط الجنان میں قرآن کی ہر آیت کے تحت دو ترجمے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک ترجمہ امام احمد رضا خانؒ کا دیا گیا ہے، جس سے عطاری صاحب نے بہت استفادہ کیا ہے، دوسرا ترجمہ ان کا اپنا کیا ہوا عربی قواعد کے مطابق اور عصری تقاضوں کے مطابق ہے۔ عطاری صاحب نے اس ترجمے کا عصرِ حاضر میں ضرورت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ متعدد مفسرین کرام اپنے وقت کے پیش نظر اور عوام کی سہولت کے لیے اپنے اپنے انداز میں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کرتے آئے ہیں تاکہ اس دور فرد قرآن کے ترجمے کو آسانی سے سمجھ سکے۔ جبکہ مولانا مودودیؒ نے ترجمہ کرتے وقت ایک ایسا طریقہ اپنایا جس میں انہوں نے آزاد ترجمانی کا سہارا لیا ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے تفسیر میں لفظی ترجمے کے طریقے کو چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اپنا ہے، ایسا نہیں کہ میں پابندیِ لفظ کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط تصور کرتا ہوں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے کرنے کی خدمات کے فرائض متعدد بزرگ انجام دے چکے ہیں اور اب مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔" (1)

دونوں مفسرین اس پہلو میں متفق نظر آتے ہیں، لیکن دونوں کا انداز اپنے اپنے فہم کے مطابق احسن ہے۔ کیونکہ دونوں اپنے دور کے انسان کو قرآن مجید اور اس کے تعلیمات سے جوڑنا چاہتے ہیں۔

۲۔ سورتوں کا دیباچہ

دونوں مفسرین نے تفسیر کرتے وقت آیت کا ترجمہ کرتے وقت شان نزول، ہر سورۃ سے پہلے موضوع اور اس کے اتار چڑھاؤ کے لئے ایک طریقے کو مد نظر رکھا ہے تاکہ ایک قاری سورتوں کو پڑھتے وقت یہ جان لے کہ یہ فلاں فلاں سورۃ کس موضوع کے متعلق ہے اور اس میں کیا مسائل و احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ لہٰذا جانبین اس حوالے سے متفق نظر آتے ہیں، اس لحاظ سے دونوں تفاسیر کا مطالعہ سود مند ہے۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن** ص: 1/ 6

۳۔ مسائل کو بیان کرنے کا معیار

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کی تصنیف کردہ تفاسیر کی زبان نہایت آسان اور دل میں اُتر جانے والی ہے۔ دونوں اپنے اپنے انداز میں مسائل کو بیان کرتے ہیں اور دونوں ہی مسائل کے حل کے لیے جامع حل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ دیگر مسائل کی طرح فقہی مسائل میں جانبین میں سے عطاری صاحب نے مختصر بحث کی اور حل کی طرف رہنمائی کی دوسری جانب اسی مسئلے میں مولانا مودودیؒ نے مفصلاً بحث کی اور جامع حل کی طرف رہنمائی کی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾[1]

ترجمہ:(اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم اُن کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو، لہٰذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھی جو اسے پہلے آیا تھا اور اس کی عدت باقی تھی)[2]

اس آیت کے تحت عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے عدت کے مسائل و احکام کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا گیا ہے جس سے باحث متفق ہے اور اس کی تفصیل باب سوم فصل دوم (عدت کے مسائل و احکام) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہر انسان کی ذہنی سطح برابر نہیں، اس لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک شخص کو مسائل و احکام کو سمجھنے کے لئے تفصیلاً بحث درکار ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مسائل و احکام کو سمجھنے کے لئے مختصر مواد درکار ہو، ہو سکتا ہے جو مسائل و احکام ایک شخص تفصیل سے سمجھتا ہو اور وہی مسائل و احکام دوسرا شخص مختصر انداز سے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لئے یہ بات عوام الناس پر منحصر ہے کہ کس طرف اس کا رجحان ہے، اگر انہیں مسائل و احکام سے متعلق مختصر بحث درکار ہو وہ صراط الجنان کا مطالعہ کرے اور جنہیں تفصیلاً بحث درکار ہو وہ تفہیم القرآن کا مطالعہ کرے، لہٰذا یہ پہلو مشترک ہے۔

1۔ الطلاق:4

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:5/570-568

۴۔ تفسیر کا مخاطب طبقہ

عطاری صاحب نے تفسیر کرتے وقت ہر خاص و عام کو مخاطب کیا ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے تفسیر کرتے وقت عصرِ حاضر کے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ طبقے کو مخاطب کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں علماء محققین سے مخاطب نہیں ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

"میں ان لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں جو اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے اور علوم قرآن کے وسیع ذخائر سے استفادہ جن کے لیے ممکن نہیں، انہی کی ضروریات کو میں نے پیشِ نظر رکھا ہے۔" (1)

۵۔ مسائل واحکام میں ذاتی رائے کا دخل

صراط الجنان میں آیاتِ قرآنی سے اخذ ہونے والے مسائل واحکام میں عطاری صاحب نے جو بحث بھی کی وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اور علمائے کرام کی رائے کو سامنے رکھتے ہوئے کی اور ان مسائل واحکام کو بیان کیا ہے اور اس میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا اور مولانا مودودیؒ بھی قرآن وسنت اور علماء کرام کی آراء کو بیان کرتے ہیں اور چند مسائل میں اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ خلوتِ صحیحہ کی صورت میں عورتوں کی عدت کے حکم میں عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اس حکم سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ عطاری صاحب کے نزدیک خلوتِ صحیحہ کی صورت میں بھی عدت واجب ہو گی، جیسا کہ ان کے نزدیک خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں داخل ہے اگر عورت کو خلوتِ صحیحہ کی صورت میں طلاق دی تو عدت واجب ہو گی اگرچہ ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہے۔ (2)

عطاری صاحب کی مذکورہ رائے کی تائید سید محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ کی رائے سے ہوتی ہے، جیسا کہ ان کے نزدیک اگر شوہر نے اپنی بیوی کو خلوتِ سے پہلے طلاق دی تو اس پر عدت واجب نہیں جبکہ خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں ہے، لہذا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دینے پر عورت پر عدت واجب ہو جائے گی (3)

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**،، ص:1/6

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:8/63

3۔ مرادآبادی، سید محمد نعیم الدین، **خزائن العرفان فی تفسیر القرآن** (لاہور: اتفاق پبلیکیشنز، س،ن)، ص:1/765

دوسری طرف مولانا مودودیؒ کے نزدیک آیت کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو خواہ وہ عورت کے پاس تنہائی میں رہا ہو تو طلاق دینے کی صورت میں عدت لازم نہ آئے گی لیکن دوسری طرف فقہاء کی آراء کو بھی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خلوتِ صحیحہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کے بعد عدت لازم آ جائے گی اور عدت ساقط اس صورت میں ہو گی جب بیوی کو خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دی ہو۔ (1)

قارئین قوی دلیل کی بنیاد پر جانبین کی آراء میں سے قوی رائے کو لے سکتے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ (2)

ترجمہ: (اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے پاکیزہ خوشگوار (سمجھ) کر کھاؤ) (3)

اس آیت کے تحت عطاری صاحب نے مہر سے متعلقہ مسائل و احکام پر مختصراً نکات کی صورت میں بحث کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے، جسے دلائل کے ساتھ باب دوم فصل اول میں بیان کیا گیا ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے تفصیلاً اور پیراگراف کی شکل میں مہر کے مسائل و احکام پر بحث کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مقدارِ مہر متعین نہیں ہے، یہ بحث باب اول فصل اول مہر کے بیان میں مفصل موجود ہے، وہاں پر تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

۶۔ سورتوں کا ربط

دونوں تفاسیر میں یہ پہلو مشترک ہے کہ ہر سورت کا کسی دوسری سورۃ سے ربط قائم کیا گیا ہے تا کہ ایک قاری کے لیے مختلف مسائل و احکام کے سمجھنے میں سہولت ہو، دونوں تفاسیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے اپنے اپنے فقہی استدلال سے سورتوں کا ربط قائم کیا ہے یعنی کہ ان تفاسیر میں دونوں مفسرین نے سورتوں کا ربط اپنے اپنے فہم کے مطابق کیا ہے۔ جیسا کہ محمد قاسم عطاری نے سورۂ طلاق کو سورۂ تغابن سے نسبت

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:4/110

2۔ النساء:4

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/163

دی ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے سورۂ طلاق کو سورۂ بقرہ سے نسبت دی ہے لہٰذا سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل واحکام کو سمجھنے کے لئے سورۂ تغابن اور سورۂ بقرہ کے موضوع کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

جیسا کہ عطاری صاحب کے نزدیک سورہ تغابن میں فرمایا گیا ہے کہ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں، بیویوں کی دشمنیوں کے باعث بعض اوقات معاملہ طلاق تک جا پہنچتا ہے اور اولاد کی دشمنی سے انسان بعض واوقات اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اولاد پر مال خرچ نہیں کرتا، اس لئے قرآن مجید میں سورۂ تغابن کے بعد سورۂ طلاق رکھی گئ ہے اس میں طلاق کے مسائل اور احکام، اولاد اور مطلقہ عورتوں پر مال خرچ کرنے کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔[1]

اس طرح مولانا مودودیؒ کے نزدیک سورۂ طلاق کا ربط سورۂ بقرہ سے ہے کیونکہ سورۂ طلاق کے احکام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے ان ہدایات کو پھر سے ذہن نشین کر لیا جائے جو طلاق اور عدت کے متعلق اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی ہیں۔[2]

۷۔ تفسیر کے مراحل

تفسیر صراط الجنان اور تفہیم القرآن میں تفسیر کرتے وقت تفسیر کے مراحل کو بالترتیب بیان کیا ہے، یعنی کہ سب سے پہلے قرآن سے استدلال کیا گیا ہے اس کے بعد مستند احادیث مبارکہ اور پھر اقوال صحابہ کو مدنظر رکھا گیا ہے تا کہ ایک قاری مختلف مسائل او احکام کو اچھی طرح سمجھ سکے؛ لہٰذا دونوں تفاسیر میں یہ مشترک پہلو ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 194

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 550

باب دوم

نکاح سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

فصل اول: نکاح کی شرعی حیثیت اور متعلقہ مسائل

(حق مہر اور نان ونفقہ)

فصل دوم: محرمات کا بیان

فصل سوم: کتابیہ اور لونڈی سے نکاح

فصل اول

نکاح کی شرعی حیثیت اور متعلقہ مسائل (حق مہر اور نان ونفقہ)

بلاشبہ انسان اجتماعیت کا قائل ہے وہ اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ وہ بغیر نکاح کے مرد وعورت کو زندگی گزارنے سے روک کر نکاح کے ساتھ زوجین کو احسن طریقے سے زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔ نکاح ہی کے ذریعے مرد وعورت ایک دوسرے کے رفیقِ حیات بنتے ہیں اور نکاح ہی کے ذریعے حلال نسلِ انسانی کی بقاء اور ایک عظیم رشتے کا آغاز ہوتا ہے۔[1]

نکاح کی اہمیت اس قدر ہے کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾[2]

ترجمہ: (اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو صرف ایک (سے نکاح کرو) یا (لونڈیوں (پر گزارا کرو) جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔)[3]

اس آیت کے تحت عطاری صاحب لکھتے ہیں:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾[4]

---

1 ۔ محمد اسحاق زاہد، **اسلام کا قانون طلاق اور اس کا ناجائز استعمال**، (لاہور: کتب خانہ حسین، مسجد علی المرتضیٰ۔ بادامی باغ، س،ن) ص:8

2 ۔ النساء:3

3 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/162

4 ۔ النساء:3

ترجمہ:(اور اگر تمہیں اندیشہ ہو) [1]

عطاری صاحب نے چند اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔

1- امام حسن بصریؒ لکھتے ہیں کہ عہدِ قدیم میں لوگ اپنی یتیم لڑکیوں سے ان کے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتے لیکن انہیں ان لڑکیوں کی طرف کوئی رغبت نہ ہوتی تھی ان کے حقوق غصب کر لیتے اور ان سے بُرا سلوک کیا جاتا، اس آیت میں اُنہیں ایسی حرکت سے منع کیا گیا ہے۔[2]

2- دوسرا قول یہ کہ لوگ یتیم لڑکیوں سے ناانصافی ہونے سے ڈرتے تھے لیکن زنا سے نہیں ڈرتے تھے۔ انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ یتیم لڑکیوں سے ناانصافی سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ زنا سے بھی ڈرو اور جو عورتیں حلال ہیں ان سے نکاح کرو اور حرام سے پرہیز کرو۔[3]

3- تیسرا قول یہ کہ لوگ یتیموں کی سرپرستی میں ناانصافی سے ڈرتے تھے لیکن بہت سے نکاح کرنے سے نہیں ڈرتے تھے اور انہیں متنبہ کیا گیا کہ ناانصافی سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ صرف اُتنی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق با آسانی ادا کر سکو۔[4]

مفتی محمد قاسم عطاری اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مالی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی گئ ہے تاکہ یتیموں کا مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔[5]

مذکورہ آیت کی روشنی میں جو بحث ہوئی باحث اس سے اتفاق کرتا ہے کیونکہ حضرت امام حسن بصری نے جس احسن انداز سے مذکورہ آیت کی روشنی میں اقوال بیان کیے ہیں وہ شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہیں۔

امام بخاری، المتوفی:ھ256 روایت بیان کرتے ہیں کہ:

---

1 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:162/2

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4 ۔ ایضاً

5 ۔ ایضاً

((عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ مَسْعُود : قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِوَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ،وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فإنهُ لَهُ وَجَاء)) [1]

ترجمہ:(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ کے پاس حاضر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اے جوانو!تم میں سے جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ قاطع شہوت ہے))

اس حدیث سے نکاح کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو،وہ نکاح کرے اگر مالی لحاظ سے کمزور ہے، استطاعت نہیں رکھتا تو اسے نفسانی خواہش پر قابو پانے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ

مذکورہ بحث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئ کہ قبل از اسلام عورتوں سے ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔ ان سے نکاح کے بغیر ناجائز تعلقات قائم کیے جاتے تھے۔اگر انکاح کر بھی لیا تو محض ان کے حسن، دولت اور خواہشاتِ نفس کے لیے کیا جاتا تھا جو کہ کسی صورت ایک عورت کے لئے اچھا نہیں تھا۔اسلام نے ایسے نکاح کی مذمت کی ہے اور یہ تلقین کی کہ ایک مرد نکاح ہی کے ذریعے انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور استطاعت کی بدولت چار عورتیں رکھ سکتا ہے۔اگر چار عورتوں سے نکاح کنے کی قدرت نہیں تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کرے۔اگر بیان کردہ شرائط سے ہٹ کر عورت سے نکاح کیا تو وہ نکاح اس عورت کے لئے وبال بن جائے گا اس لیے اسلام نے حکیمانہ طریقے سے زوجین کو نکاح ہی کے ذریعے ایک مقدس رشتے سے منسلک کیا ہے جس میں پُرامن زندگی کا حصول ممکن ہے۔اسلام نے اس عظیم رشتے کو قائم ہی اس لیے کیا ہے تاکہ ایک مستحکم معاشرہ وجود میں آسکے۔

1۔بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (بیروت:دارالکتب العلمیہ،1409ھ)کِتَابُ النِّكَاحِ،بابٌ مَنْ لَمْ يَستطع الباءةِ فَلْيَصُم،ح :5066

نکاح سے متعلق دو شرعی مسائل، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

جہاں نکاح کی اہمیت بہت زیادہ ہے وہاں اس سے متعلق شرعی مسائل بھی ہیں تاکہ نکاح سے متعلق مسائل واحکام واضح ہو کر سامنے آجائیں اور اس مقدس رشتے کا لحاظ بھی رکھا جائے جو کہ ہماری ذمہ داری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نکاح جیسے عظیم رشتے کی پہچان کرائی اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس کے احکامات کو اس کے مطالبات پر عمل میں لائے جائیں تاکہ عائلی زندگی کا مقصد حاصل ہو جائے۔

عائلی زندگی میں نکاح کے شرعی مسائل سے متعلق محمد قاسم عطاری میں لکھتے ہیں:

"اس آیت سے پتہ چلا کہ ایک آزاد مرد کے لیے ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح جائز ہے امتِ مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک وقت میں ایک مرد کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، سوائے نبی ﷺ کے اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے"[1]

ایک مرد کے لئے چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ اسلام نے مرد کو چار تک عورتوں سے نکاح کا حکم اس شرط پر دیا ہے کہ اگر انصاف کو برقرار رکھ سکے، اگر انصاف کو برقرار نہ رکھ سکے تو پھر ایک پر اکتفا کرے۔ اس میں نکاح کی عظمت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ جو شخص چار تک عورتوں سے نکاح کرے پھر وہ اس سے بری ہو گیا بلکہ ان کے حقوق کا خیال رکھنا اس کے لیے لازم ہو گا۔ باقی مذاہب میں اس قدر اصول نہیں، نہ ہی ان کی تعلیمات کی اصل ہے اور نہ ان کے اصول و قوائد جامع ہیں۔ دیگر مذاہب اور ان کی تعلیمات اصول افرا تفری کا شکار ہیں، ان کی تعلیمات اعلانیہ نہیں ہیں اور جو تعلیمات ہیں وہ بھی غیر واضح ہیں۔ یہ شرف صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ جس نے اس قدر ہمیں کامیاب زندگی گزارنے کے اصول فراہم کیے، جس کی تعلیمات پوشیدہ نہیں بلکہ واضح اور ظاہر ہیں جن پر چل کر ایک پُر امن زندگی کا حصول ممکن ہے۔

امام ابو داوٗدؒ المتوفی: 275ھ سنن ابی داوٗد میں حارث بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ[2] کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں:

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 2/163

2۔ آپ کا سلسلۂ نسب الحارث بن قیس بن خلدۃ بن مخلد ہے۔ آپ کی کنیت ابو خالد ہے۔ آپ غزوۂ بدر میں شریک ہونے ہوالے انصار صحابہ میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر اور یمامہ میں بھی شریک ہوئے۔ آپ کو جنگِ یمامہ میں شہید کیا گیا۔ (العسقلانی، ابن حجر، احمد بن محمد الکنانی، **الاصابہ فی تمیز الصحابہ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ 1415ھ/1995)

((عَنِ الْحَارِثِ بِن قَيْس الاَسَدِي قَالَ:اَسلَمْتُ وَعِنْدِي ثَمَان نِسوَةً فَذَكَّرتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم، فَقَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْتَرَ مِنْهُنَّ اَرْبعًا)) [1]

ترجمہ:((حضرت حارث بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے کہا:میں سے اسلام قبول کیا اور میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں،پس میں نے اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔

پس اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ایک آزاد مرد کے لئے چار تک عورتوں سے نکاح جائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے آٹھ عورتیں رکھنے والے شخص کو یہ نصیحت کی کہ آٹھ عورتوں میں سے چار کو رکھ لو باقی چار عورتوں ترک کر دو۔

مولانا مودودیؒ اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں اس آیت کے پیش نظر اہل تفسیر کے تین اقوال بیان کرتے ہیں:

ا۔حضرت عائشہ کی تفسیر کی روشنی میں:"آپ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یتیم بچیوں سے نکاح ان کے خوبصورتی اور مال کی بناء یا اس وجہ سے کہ ان کے خاندان میں سے اس کا کوئی سر دھرا تو نہیں،ہم جیسے چاہیں گے ان سے رویہ رکھیں گے وہ ان کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد تشدد کیا کرتے تھے،اس پر حکم دیا گیا کہ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں سے کسی سے بھی عدل کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکتے تو اس کے علاوہ دینا میں اور بھی عورتیں ہیں ان میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو"[2]

مذکورہ قول کے مطابق دورِ جاہلیت میں نکاح کو نکاح نہیں سمجھا جاتا تھا۔مرد صرف مال و دولت،حسن اور عورت پر تشدد کی غرض سے نکاح کرتا تھا تو انہیں اس عمل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو اور عورتوں پر تشدد و غیرہ سے گریز کرو۔

1۔ابوداؤد،سلیمان بن الأشعث سجستانی،**سنن أبي داوٗد**(بیروت:داراحیاء التراث العربی،1421ھ)کِتَا بُ الطَّلَاق،بابٌ فِي مَن اسلم وعندهُ نِسَاء، ح:2241

2۔مودودی،**تفہیم القرآن**،ص:1/320

۲۔ دوسرا قول ابن عباس اور ان کے شاگرد کا ہے وہ ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

جاہلیت کے دور میں ایک شخص کثرت سے نکاح کر لیتا تھا اور جب ان عورتوں کے اخراجات بڑھ جاتے تو ان کے حقوق غصب کر لیتا تھا؛ اس بناء پر اللہ نے نکاح کرنے کی چار تک حد رکھی ہے اور اس بات کی طرف انہیں متوجہ کیا گیا کہ ان عورتوں میں اتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن میں انصاف کو قائم رکھ سکو"۔ (1)

سکو"۔ (2)

۳۔ تیسرا قول یہ کہ سعید بن جُبَیر، قتادہ اور بعض دوسرے مفسرینِ کرام کہتے ہیں، اہل جاہلیت عورتوں کے ساتھ انصافی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، لیکن عورتوں کے معاملے میں ان کے ذہن عدل و انصاف سے خالی تھے؛ کثرت ازدواج کا رواج تھا اور ان پر طرح طرح کا ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر تمہیں یتیموں کے ساتھ بے انصافی سے خوفِ خُدا ہے تو عورتوں کے ساتھ بھی بے انصافی سے پرہیز کرو اور چار تک عورتوں میں سے صرف اتنی بیویاں رکھو جن کے ساتھ انصاف کر سکو۔" (3)

مولانا مودودیؒ نکاح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

" اس بات پر سبھی فقہاءِ امت متفق ہیں کہ اس آیت میں تعدد ازدواج کی تحدید کی گئ ہے اور بیک وقت ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت میں چار عورتوں سے ازدواجی رشتے کو عدل کی شرط سے مشروط کیا گیا ہے یعنی کہ ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کرتے وقت عدل کو برقرار رکھ کر شریعت اسلامیہ کی حدود کا پابند رہے۔ (4)

مولانا مودودیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

"کہ مرد کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ انصاف کو برقرار رکھ سکتا ہو۔ مولانا محمد تقی اپنی کتاب "اجتہاد" میں بڑے اچھوتے انداز میں نکاح کی ضرورت و اہمیت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے مرد و عورت کے رشتے کو ایک زندگی قرار دی ہے اس نے مرد کی فطری ساخت کو اہم مقام دیا ہے اور جو چیزیں مرد و عورت میں مشترک ہیں ان میں یکسانیت کا خیال رکھا گیا ہے اور الگ چیزوں میں فرق رکھا ہے اور الگ چیزوں میں فرق رکھا ہے مگر زندگی کی تکمیل کے لئے مرد و عورت

---

1 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/320

2 ۔ ایضاً

3 ۔ ایضاً

4 ۔ ایضاً

دونوں کی ضرورت ہے اسلام نے زندگی گزارنے کے جو اصول مقرر کیے ہیں ہیں حقیقی طور پر اسی میں خوشگوار زندگی کی بقاء ممکن ہے۔[1]

زوجین میں مشترک پہلو سے متعلق جیسا کہ قرآن میں ایک جگہ آتا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[2]

ترجمہ:(اور عورتوں کے لیے بھی مردوں پر شریعت کے مطابق ایسے ہی حق ہے جیسا (ان) کا عورتوں پر ہے)[3]

عطاری صاحب سورۂ بقرہ کی ذکر کردہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کچھ یوں لکھتے ہیں کہ جس طرح عورتوں پر شوہروں کے حقوق واجب ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق کو پورا کرنا نہایت ہی ضروری ہے یعنی کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کی تلقین کی گئ ہے۔[4]

شوہر کے بیوی پر حقوق

عقد نکاح کے ساتھ ہی بیوی ہر جائز کام میں شوہر کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرتی ہے یعنی کہ وہ شوہر کی پابند ہو جاتی ہے۔ وہ تمام حقوق جس پر ایک مرد کا حق ہے بیوی ان حقوق کا لحاظ رکھتی ہے تب جا کر مرد و عورت کی ایک کامیاب زندگی گزارنے کا قابل ہوتے ہیں ان حقوق میں شوہر کی اطاعت کرنا ہے، شوہر کی عزت و آبرو اس کے مالکی حفاظت کرنا، اس کا ادب و احترام کرنا، ہر جائز کام میں اس کی معانت کرنا غرض یہ کہ ہر اس کام میں معانت کرنا جس میں شرعیت اجازت دیتی ہے۔

جیسا کہ عطاری صاحب اپنی تفسیر" صراط الجنان " میں شوہر کے بیوی پر جو حقوق ہیں ان کو احسن انداز میں لکھتے ہیں کہ ان حقوق میں ازدواجی تعلقات میں شوہر کی اطاعت کرنا، اس کی عزت کا خاص خیال رکھنا، اس

---

1 ۔ امینی، محمد تقی، **اجتہاد**، (مقابل باغ: قدیمی کتب خانہ، س،ن،) ص:282

2۔ البقرۃ:228

3 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/ 397

4 ۔ ایضاً

کے مال کی نگرانی اور اس کی خیر خواہی کرنا، جائز امور میں اس کی خوشی چاہنا اور اسے اپنا سردار جاننا، شوہر کا ادب کرنا، اسکی سختی کو برداشت کرنا اور بوقت ناراضگی اسے منانے کی کوشش کرنا وغیرہ شامل ہیں۔[1]

یہاں شوہر کے حقوق سے متعلق اسلام کی تعلیمات واضح ہیں کسی اور مذہب میں اس قدر تعلیمات واضح نہیں جس قدر اسلام نے انسانی حقوق کا خیال رکھنے کا درس دیا۔

شوہر کے حقوق سے متعلق مفسرین کی آراء

مردوں کی طرح عورتوں کے بھی چند حقوق ہیں جنہیں مفسرین کی آراء کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [2]

ترجمہ: (عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں) [3]

اس آیت کے حوالے سے امام جصاص کہتے ہیں کہ:

"اللہ تعالی نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں، اور خاوند کو بیوی پر ایسے حق بھی ہیں جو بیوی کے خاوند پر نہیں"[4]

علامہ سعیدیؒ شوہر کے حقوق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ ان کو جسمانی قوت زیادہ عطا کی گئی ہے، ان کو عورتوں کے اخراجات کا وکیل اور گھر کا منتظم بنایا ہے۔[5]

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام نے معاش کے لیے مرد کو پابند کیا ہے اور اپنی کمائی میں سے عورتوں کے اخراجات بھی برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/ 397

2۔ البقرۃ:228

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 173

4۔ جصاص، احمد بن علی رازی، **احکام القرآن**، (لاہور: مکتبۂ رحمانیہ، دسمبر 1999ء)، ص:1/ 139

5۔ سعیدی، غلام رسول، **تبیان القرآن**، (لاہور: فرید بک سٹال، س،ن)، ص:1/ 807

امام ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں: مرد عورتوں پر حاکم اور امیر ہیں، یعنی ان کی اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اطاعت کی جائے گی، اور اس کی اطاعت اس کے اہل و عیال کے لیے احسان اور اس کے مال کی محافظ ہو گی (1)

مذکورہ سطور میں مفسرین اور علماء کی آراء سے بھی پتہ چلا کہ زوجین کے حقوق کو اسلام نے کس احسن انداز سے بیان کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ایک پر امن معاشرے کا وجود ممکن ہے۔

بیوی کے شوہر پر حقوق

جس طرح شوہر کے بیوی پر حقوق ہیں اسی طرح بیوی کے بھی شوہر پر حقوق ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے کے جائز حقوق کو ادا کرنے کی تلقین کی ہے تا کہ زوجین کی زندگی احسن طریقے سے گزر سکے۔ نکاح کے رشتے سے منسلک ہوتے ہی شوہر پر بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان حقوق میں عورت کے اخراجات کا خیال رکھنا، اسے ہر جائز کام اور صالح باتوں کی ترغیب دلانا اور برے کاموں سے منع کرنا شامل ہیں۔

جیسا کہ عطاری صاحب بیوی کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیوی کے حقوق میں شوہر پر جو حقوق بیان کیے گئے ہیں ان میں عورت کے کے خرچے کا خیال رکھنا، اس کے لیے رہائش کا بندوبست کرنا، اسے نیک اور صالح باتوں کی ترغیب دلانا اور پردے کی تلقین کرنا، خلاف ورزی کرنے پر اسے منع کرنا، شریعت کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہر جائز باتوں میں اس کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف ہر صبر کا دامن تھامے رکھنا اگر چہ یہ عورت کا حق نہیں (2)

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ اسلام نے مرد کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ مرد کے ذمہ عورت کے جو جائز ہیں ان کو پورا کرنا لازم ہے تا کہ زوجین کی زندگی مستحکم ہو اور اتفاق بر قرار رہے، ساتھ ہی اسلام کا دیگر مذاہب پر غلبہ بھی واضح ہے کہ جس قدر اسلام نے عورتوں کو حقوق سے نوازا کسی اور مذہب میں یہ حقوق نہیں ملتے۔

امام طبرانیؒ المتوفی 360ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

---

1 ۔ ابنِ کثیر، حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر، **تفسیر ابنِ کثیر**، (لاہور: مکتبۂ رحمانیہ، اپریل، 2009ء) ص: 1/ 687

2 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/ 398

﴿عَنْ اَنَسِ ابْن مَالِک،قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلی االلہُ علیه وسلم اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُفَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الِّديْنِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ ﴾ (1)

ترجمہ:(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نکاح کیاتواس نے اپنا آدھا مکمل کر لیااور اب اُسے چاہیے کہ بقیہ آدھے دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے))

اس حدیث سے دو پہلو معلوم ہوئے ایک یہ کہ نکاح کرنے سے آدھے دین کی تکمیل ہوتی ہے دوسرا یہ کہ نکاح کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرنے کا حکم دیا گیاہے۔

نکاح کی جس قدر ضرورت واہمیت ہے وہاں اس کی شرعی حیثیت بھی ہے مختلف فقہاء اور مفسرین نے نکاح کی ضرورت واہمیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شرعی حیثیت کو بھی ذکر کیاہے۔

نکاح کاشرعی حکم، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

اسلام کا یہ تصور ہے کہ وہ ہر مسئلے میں اسلامی وشرعی تصور بھی پیش کرتا ہے،جیسا کہ نکاح کا شرعی حکم، نکاح کے شرعی حکم میں متعدد علماء نے بحث کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔دورِ حاضر میں معاشرہ نکاح کرنے کو سنت سمجھنے پر ہی اتفاق کرتا ہے جبکہ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔نکاح کی حیثیت سنت کی بھی ہے اور واجب کی بھی۔اسی طرح نکاح کی حیثیت مکروہ اور حرام کی بھی ہے ان سے متعلق آسان الفاظ میں دورِ حاضر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو تفسیر رہنمائی کرتی ہے وہ صراط الجنان ہے۔اس تفسیر کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے سے نسل نو غلط کاریوں اور بے حیائی سے بچ سکتی ہے۔صراط الجنان میں نہ صرف مرد کے لیے نکاح کے شرعی حکم کا بیان ہے بلکہ عورت کے لیے بھی نکاح کا شرعی حکم کا بیان موجود ہے، جنہیں بیان کیاجارہاہے۔

الغرض دورِ حاضر میں نکاح کی شرعی حیثیت کو سمجھنا نہایت ہی ضروری ہے، جس کا صراط الجنان میں بیان موجود ہے۔لہٰذا نکاح کی شرعی حیثیت پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کو پُر امن بنایا جاسکتاہے۔

---

1 ۔الطبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الاوسط**،(بیروت: دارالکتب العلمیہ 1420ھ) كِتَابُ النِّكَاحِ ،ح:972

مرد کے لیے نکاح کا شرعی حکم

نکاح کا شرعی حکم صورتِ حال کے مطابق ہے، اب یہ اس وقت مرد کی کیفیت پر منحصر ہے کیونکہ کسی بھی کام کو موقعہ کی مناسبت سے کیا جائے تو اس میں انسان کے لئے فائدہ ہوتا ہے، اس لئے نکاح کی حیثیت کبھی سنت کی ہے، کبھی واجب کی، اسی طرح مکروہ اور حرام کی بھی ہے جیسا کہ اوپر مباحث میں تفصیل سے بیان کیا چکا ہے۔

عطاری صاحب کے نزدیک نکاح کا شرعی حکم صورتِ حال کے مطابق ہے، نکاح کی حیثیت سنت کبھی واجب کی ہے نیز مکروہ اور حرام کی بھی ہے۔ صراط الجنان کی روشنی میں مرد اگر اعتدال کی حالت میں ہو اور مہر و نان نفقہ دینے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو اس صورت میں نکاح کی حیثیت سنتِ مؤکدہ کی ہے، مرد اگر گناہ میں پڑنے کا خوف محسوس کرے اور وہ حق، زوجیت بھی ادا کر سکتا ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے، اور اگر گناہ میں پڑنے کا یقین ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اگر اسے حقِ زوجیت پورے نہ کرنے م کا خدشہ ہو تو اس کا نکاح کرنا مکروہ جبکہ حقوق پورے نہ کرنے کا یقین ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ [1]

عورت کے لیے نکاح کا شرعی حکم

مرد کی طرح عورت کے لیے بھی نکاح کا شرعی حکم ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اس لئے نکاح کے حوالے سے جو احکام مرد کے لیے ہیں وہی عورت کے لئے بھی ہیں۔ عورت کے شرعی حکم میں بھی نکاح سنت، فرض، واجب اور حرام ہے۔ عطاری صاحب کے نزدیک عورت جس کو یہ خدشہ لاحق ہو کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت نہ کر سکے گی اور شوہر کے لازم حقوق بھی اس سے ادا نہیں ہو سکیں گے تو اس صورت میں عورت کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اگر نکاح کیا تو وہ عورت گناہ گار ٹھہرے گی۔ اگر اسے گناہ میں پڑنے کا یقین ہو اور مرد کے حقوق بھی ادا نہ کرنے کا یقین ہو تو اس صورت میں عورت کا نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح نکاح کی شدید حاجت ہے کہ اس کے بغیر عورت کو معاذاللہ گناء میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہے تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے اسی طرح اگر گناہ میں پڑنے کا کلی یقین ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اعتدال کی صورت میں ہو تو اس وقت

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/200-199

نکاح کرنا سنت ہے اور وہ اس بات پر مطمئن ہو کہ نہ ہی شوہر کی اطاعت ترک ہو گی اور نہ ہی شوہر کے حقوق میں کمی آئے گی۔[1]

عصرِ حاضر میں زوجین میں سے دونوں کے نکاح کی شرعی حیثیت کی جھلک تفسیر صراط الجنان میں ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ باحث نے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کیا علماء کے اقوال کا بھی مطالعہ کیا لیکن ان تفاسیر اور علماء کے اقوال میں صرف مرد کے لیے نکاح کا شرعی حکم دیکھنے کو ملا ہے جبکہ عورت کیے لئے نکاح کا شرعی حکم نہیں پایا گیا۔ محمد قاسم عطاری نے مرد کے لئے نکاح کا شرعی حکم جس فہم سے بیان کیا ہے اکثر مفسرین اور علماء کے اقوال سے ان کی تفسیر صراط الجنان میں بیان کردہ نکاح کی شرعی حیثیت کی تائید ہوتی ہے۔

نکاح کی شرعی نوعیت میں اہلِ علم کے اقوال

نکاح ایک مقدس رشتہ ہے، جس سے حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ضرورت و اہمیت بیان ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے مفسرین و فقہاء نے جس انداز سے بحث کی تو پتہ چلا کہ اس کی شرعی حیثیت حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں دیگر علماء کے اقوال کی روشنی میں نکاح کی شرعی حیثیت کو یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

قاسمی صاحب نکاح کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حالتِ اعتدال میں نکاح کی حیثیت سنت کی ہے۔[2]

اس کی دلیل سنن ابن ماجہ میں مذکور یہ حدیث ہے، امام ابن ماجہؒ المتوفی 273ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عن قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّيْ))[3]

---

1 ۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/200۔199

2۔ قاسمی، محمد فیاض عالم، **نکاح کے اصول وضوابط**، ماہنامہ (ممبئی: دارالعلوم، شمارہ:10، دارالقضاۃ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ناگپاڑہ، س،ن)

3 ۔ابنِ ماجہ، محمد بن یزید، **سننِ ابنِ ماجہ**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ مَاجَاءَفِي فَضلِ النِّكَاحِ، ح:1846

ترجمہ:(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں)

یہاں نکاح کرنے کا پابند کیا گیا ہے اور ساتھ ہی نکاح نہ کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ بھی کیا ہے کہ ایسا شخص جو میری سنت (نکاح) پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔

قاسمی صاحب کے نزدیک نکاح کی حیثیت فرض کی بھی ہے جب شہوت کا غلبہ ہو اور گناہ کر لینے کا کلی یقین ہو اور مرد میں حق مہر اور نان ونفقہ ادا کرنے کی قدرت بھی ہو نیز بیوی پر ظُلم و سِتم کرنے کا خوف نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح کی حیثیت فرض کی ہے اسی طرح نکاح واجب بھی ہوتا ہے اس طرح کہ جب نکاح کا تقاضا ہو اور اگر نکاح کرے تو گناہ میں پڑ جانے کا خدشہ ہو، مرد مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی بھی کر سکتا ہو اور بیوی پر ظُلم و سِتم کرنے کا خوف نہ ہو تو ایسی صورت میں نکاح کرنا واجب ہے۔ نکاح کرنے کے بعد بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو اُس صورت میں نکاح کرنا مکروہِ تحریمی ہے جبکہ نکاح کرنے کے بعد بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کلی یقین ہو یا بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو تو یا نکاح ہی اس غرض سے کیا جائے کی بیوی پر ظلم کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں نکاح کی حیثیت حرام کی ہے۔[1]

علامہ حصکفیؒ نے نکاح کی شرعی حیثیت کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ:

اگر ایک شخص کو کہ نِکاح نہ کرنے کی صورت میں اس بات کا اندیشہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو سکتا ہے اور مہر ونان ونفقہ دینے کی استطاعت بھی رکھتا ہے تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے۔حالت اعتدال میں نہ غلبہ شہوت ہو اور نا عنین (نامرد) ہو اور مہر ونفقہ ادا کرنے کی استطاعت بھی ہو تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے، جبکہ نکاح نہ کرنے پر جمے رہنا گناہ ہے۔ نکاح نہ کرنے سے گناہ میں پرنے کا یقین ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان نفقہ نہ دے پائے گا یا ضروری باتوں کو پورا نہ کر پائے گا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر ان باتوں کا کلی یقین ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا حرام ہے مگر نکاح بہر حال ہو جائے گا۔[2]

1۔ قاسمی، **نکاح کے اصول وضوابط**، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ:10

2۔ الحصکفی، محمد بن علاء الدین، **الدرالمختار**، (بیروت، دارالعرفہ، 1420ھ)، کتاب النکاح ص:4/ 74

مولانا جانباز" اپنی کتاب" احکامِ نکاح" میں اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ اس پر ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو نِکاح نا کرنے کی صورت میں یہ غالب گمان ہو کہ اگر وہ شریعت اسلامیہ کی حدود کا پابند نہیں رہ سکے گا بلکہ گناہ کا مرتکب ہو جائے گا اور اسے نکاح کرنے پر قدرت بھی حاصل ہو اور اس کے پاس وسائل بھی مہیا ہوں تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے، جب تک نکاح نہ کرے گا گناہ گار ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر نکاح کے وسائل موجود نہیں یا یہ کہ کوئی صالح عورت میسر نہیں یا اس کے پاس مہر و نان نفقہ کے لیے ضروری خرچ نہیں تو اس کے لیے حکم ہے کہ وسائل کی فراہمی کی تلاش کرے اور جب تک وسائل میسر نہ ہوں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔[1]

امام بخاریؒ مذکورہ بحث کے ضمن میں روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ عَبْدِاللہ ابْنِ مَسْعُوْدٍقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللہ صَلَّى اللہ عَلیہ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ منکُم الْبَاءَةَ فلْيتزوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصر وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وجَاءٌ)) [2]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ہم سے فرمایا: اے جوانو! تم میں سے جو کوئی گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے آنکھوں میں حیا آتی ہے اور شرم گاہ گناہوں سے محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزوں سے شہوت ٹوٹتی ہے۔)

اس حدیث میں نکاح کی اہمیت کو نہایت احسن انداز سے بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی گناہوں سے بچنے کے لیے روزے رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ جس کے پاس نکاح کرنے کے لیے وسائل میسر نہ ہوں تو وہ اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

1۔ جانباز، **محمد علی، احکام نکاح**، (مکتبہ قدوسیہ، 2005ء)، ص:20

2۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کِتَابُ النِّكَاحِ، بابٌ مَنْ لم يَستطعِ الباءةِ فَلْيَصُم، ح:5066

مولانا جانباز نکاح کی شرعی حیثیت کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

2۔ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جس شخص کو غالب گمان ہو کہ وہ نکاح کرنے کی وجہ سے گناہ کی نظر ہو جائے گا، مثال کے طور پر حق زوجیت ادا کرنے پر قدرت نہ ہو اور عورت پر ظلم کرتا ہو کہ یا کوئی دوسرا گناہ یقیناً لازم آ جائے گا تو اس صورت میں نکاح کرنا حرام یا مکروہ ہے۔[1]

3۔ ایسا شخص جو اعتدال کی حالت میں ہے نہ تو ترک نکاح سے گناہ کا خطرہ ہے اور نہ ہی نکاح کی صورت میں کسی گناہ کا اندیشہ ہے ایسے شخص کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح کرنا نفلی عبادات سے افضل ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک عبادات افضل ہے۔ اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک نکاح ایک مباح ہے جیسے کھانا، پینا، سونا وغیرہ۔ اس میں عبادت کا پہلو اس نیت سے آ جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی گناہ سے بچ سکے گا اور اولاد صالح پیدا ہو گی تو اس کا ثواب بھی ملے گا، غرض یہ کہ امام شافعی عبادت کے لیے خلوت گزینی کو نکاح سے افضل قرار دیتے ہیں اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو دوسرے مباحات کی نسبت غالب ہے۔[2]

نکاح کرنے کے شرعی حکم میں تین مذاہب ہیں:

''مَنْ يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ الْوُقُوعَ فِي مَحْظُورٍ إنْ تَرَكَ النِّكَاحَ، فَهَذَا يَجِبُ عَلَيْهِ النِّكَاحُ فِي قَوْلِ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ؛ لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ إعْفَافُ نَفْسِهِ، وَصَوْنها عن الحرام''[3]

ترجمہ: (مذہب اول) جس شخص کو یہ خطرہ ہے کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو عام فقہاء کے نزدیک اس پر نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو گناہوں سے دور رکھے۔

باحث کی ذاتی رائے بھی اس مذہب سے اتفاق کرتی ہے کہ اگر ایک شخص نکاح نہ کرنے سے گناہ کا شکار ہو جائے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ گناہوں سے دور رہے اگر ایسا نہیں تو پھر وہ شخص زانی کا عادی بن جائے گا اور زنا ایک

1۔ جانباز، **احکام نکاح**، ص:22

2۔ ایضاً

3۔ ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ بن محمد، **المغنی ابنِ قدامہ**، (بیروت: دار الفکر 1405ھ)، باب النکاح

برا فعل اور گناہ کا کام ہے جس کی سزا قرآن نے واضح بتادی۔ اس حوالے سے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان بھی ہے جس کا آگے ذکر آرہا ہے کہ اگر ایک شخص میں نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزے سے شہوت ٹوٹتی ہے۔

''وَطَرِيقُهُ النِّكَاحُ. الثَّانِي، مَنْ يُسْتَحَبُّ لَهُ، وَهُوَ مَنْ لَهُ شَهْوَةٌ يَأْمَنُ مَعَهَا الْوُقُوعَ فِي مَحْظُورٍ، فَهَذَا الِاشْتِغَالُ لَهُ بِهِ أَوْلَى مِنْ التَّخَلِّي لِنَوَافِلِ الْعِبَادَةِ. وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِ الرَّأْيِ. وَهُوَ ظَاهِرُ قَوْلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ –، وَفِعْلِهِم-قَالَ ابْنِ مَسْعُوْدٍلَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْ أَجَلِي إلَّا عَشْرَةُ أَيَّامٍ، وَأَعْلَمُ أَنِّي أَمُوتُ فِي آخِرِهَا يَوْمًا، وَلِي طَوْلُ النِّكَاحِ فِيهِنَّ، لَتَزَوَّجْت مَخَافَةَ الْفِتْنَةِ'' (1)

ترجمہ: (مذہب دوم) جس شخص میں شہوت ہو اس کے باوجود اس کو اطمینان ہو کہ وہ گناہوں میں مبتلا نہیں ہو گا اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اور نفلی عبادات میں مشغول رہنے سے اس کا نکاح کرنا افضل ہے، اور یہ اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ظاہر قول اور ان کا فعل ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، نے فرمایا اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی رہ جائیں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں آخری دن فوت ہو جاؤں گا اور مجھے ان ایام میں نکاح کرنے کی طاقت ہو تو میں فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح کروں گا۔

باحث کی زاتی رائے اس مذہب سے مطابقت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں نکاح کی تلقین کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بھی واضح ہے۔

''الْقِسْمُ الثَّالِثُ، مَنْ لَا شَهْوَةَ لَهُ، إمَّا لِأَنَّهُ لَمْ يُخْلَقْ لَهُ شَهْوَةٌ كَالْعِنِّينِ، أَوْ كَانَتْ لَهُ شَهْوَةٌ فَذَهَبَتْ بِكِبَرٍ أَوْ مَرَضٍ وَنَحْوِهِ، فَفِيهِ وَجْهَانِ؛ أَحَدُهُمَا، يُسْتَحَبُّ لَهُ النِّكَاحُ؛ لِعُمُومِ مَا ذَكَرْنَا. وَالثَّانِي، التَّخَلِّي لَهُ أَفْضَلُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُحَصِّلُ مَصَالِحَ النِّكَاحِ'' (2)

1۔ ابن قدامہ، المغنی ابن قدامہ، ص: 7/334

2 ۔ ایضاً، ص: 6

ترجمہ: (تیسرا وہ شخص جس میں شہوت نہ ہو خواہ اس میں شہوت پیدا نہ کی گئی ہو، جیسے نامرد ہوتا ہے، یا اس میں شہوت ہو تو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے وہ شہوت ختم ہو گئی ہو، اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس کے لیے بھی نکاح کرنا مستحب ہے جیسا کہ عمومی دلائل کا تقاضا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے کیونکہ وہ نکاح کے حقوق ادا نہیں کر سکتا)

باحث اس قول سے یہ سمجھا کہ ایک شخص زوجین کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں علاج بھی ناممکن ہو تو ایسے شخص کے لئے بوجھ بھی نہیں اس صورت میں وہ نکاح کرے یا نہ کرے اسلامی قانون اسے مجبور نہیں کرتا۔ نکاح کی شرعی حیثیت سے متعلق مختلف اقوال کو بیان کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ نکاح کی مختلف صورتیں ہیں اور یہ حالات پر منحصر ہے اس میں بعض صورتوں میں مرد گناہ کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ مرد محض لذت کے لیے کسی سے نکاح کرے اور نکاح کے اصل مقاصد اس کے لئے معنیٰ نہ رکھتے ہوں اگر نکاح کے اصل مقاصد کارفرما ہوں پھر نکاح ایک اچھا عمل ہے نکاح ہی کے ذریعے حلال نسلِ انسانی کی بقاء ممکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حالات کے پیشِ نظر نکاح کی حیثیت سنت، واجب، حرام اور مکروہ کی بھی ہو سکتی ہے۔

نکاح کی شرعی نوعیت، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی

مولانا مودودیؒ نکاح کو سنت مؤکدہ کی حیثیت کو بیان کرتے ہیں اس حوالے سے انہوں نے "تفہیم القرآن" میں مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب، "تفہیمات" حصہ دوم کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح کا مقام نہ صرف ایک عمرانی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس میں ایک مذہبی تقدس کی شان بھی ہے۔ اس سے اخلاق کی اصلاح مقصود ہے، اسی سے ہی معاشرے کی بقاء اور نشوونما مقصود ہے۔[1]

یہاں نکاح کی شرعی حیثیت کے حوالے سے نکاح کی عظمت عیاں ہے کہ نکاح ہی کے ذریعے ایک مظبوط معاشرے کی بقاء ممکن ہے۔ اسی کے ذریعے ہی زوجین کے مابین احساسِ ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور معاشرے کو پُرامن بنانے کی فکر بھی ہوتی ہے۔

1۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **تفہیمات**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، اگست 2000ء) ص: 2/309

نکاح کے سنتِ مؤکدہ سے متعلق دیگر علماء کے اقوال:

شیخ تقی الدینؒ، امام احمدؒ اور دیگر فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کے لئے مال دار ہونا ضروری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی بدولت انسان کو غنی کر دینے کا ذمہ لیا ہے، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: (1)

﴿اِن یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (2)

ترجمہ :(اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انہیں غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے) (3)

باحث شیخ تقی الدینؒ اور دیگر فقہاء جن کے نزدیک ایک شخص کا نکاح کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں اور مذکورہ آیت سے یہ سمجھا کہ آدمی نکاح سے پہلے لاپرواہ ہوتا ہے اسے فکر نہیں ہوتی وہ ذمہ داری سے آری ہوتا ہے اور جب آدمی نکاح کر لیتا ہے تو اس پر ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے ایک پرسکون زندگی گزارنے کے لئے اور اسلام نے بیوی کے جو حقوق بیان کیے ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے اسے فکر ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ محنت کرتا ہے پھر اللہ اس کے کام میں برکت ڈالتا ہے۔

امام ترمذیؒ، المتوفی 279ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ اَبِي هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلیهِ وَسَلَّم: ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنَهُمْ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِیْلِ اللهِ وَالْمُكَاتِبُ الَّذِي یُرِیدُ الأَدَاء وَالنَّاكِحُ الَّذِي یُرِیدُ العَفَاف)) (4)

ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی اللہ مدد فرمائے گا، ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، دوسرا وہ مکاتب (غلام) جو کتابت کی رقم ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اور تیسرا پارسائی کے ارادے سے نکاح کرنے والا)

1.htts:// www.urdufatwa.com/view/1/23738/ 29 november,2017

2۔ النور:32

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:6/ 626

4۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی**، (بیروت، دارالفکر، 1421ھ) کتابُ فَضَائلُ الْمُجَاهِدُ، بابٌ مَا جَاء فی المجاهد والناكح والمكاتب، ح: 1661

مذکورہ حدیث میں اللہ نے تینوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک نکاح کرنے والے سے متعلق ہے۔

قاسمی صاحب نکاح کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

" حالتِ اعتدال میں نکاح کی حیثیت سنت کی ہے " (1)

مذکورہ بحث سے نکاح کے سنت ہونے میں سبھی کا اتفاق ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

مذکورہ بحث میں نکاح کی شرعی حیثیت کے متعلق دو پہلو سامنے آئے۔ ایک یہ کہ مرد کی طرف سے نکاح کا شرعی حکم اور دوسرا یہ کہ عورت کی طرف سے نکاح کا شرعی حکم عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک مرد کے نکاح کے شرعی حیثیت کے حوالے سے ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

1۔ نکاح کا سنتِ مؤکدہ ہونا:

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک نکاح کے سنتِ مؤکدہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ عطاری صاحب لکھتے ہیں: مرد اگر اعتدال کی حالت میں ہو، مہر اور نان ونفقہ دینے کی استطاعت بھی رکھتا ہو تو اس صورت میں نکاح کی حیثیت سنتِ کی ہے "(2)

اسی طرح مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

شریعت اسلامیہ میں نکاح کا مقام نہ صرف ایک عمرانی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس میں ایک مذہبی تقدس کی شان بھی ہے۔ اس سے اخلاق کی اصلاح مقصود ہے اور اسی سے ہی معاشرے کی بقاء اور نشوونما مقصود ہے (3)

---

1 ۔ قاسمی، **نکاح کے اصول وضوابط**، ماہنامہ: دارالعلوم، شمارہ:10

2 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/199

3 ۔ مودودی، **تفہیمات**، حصہ دوم/309

اسی طرح علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"حالت اعتدال میں نہ غلبۂ شہوت ہو اور نا عنین (نامرد) ہو اور مہر و نفقہ دینے پر قدرت بھی ہو تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔[1]

مذکورہ بحث میں یہ واضح ہوا کہ دیگر علماء کی آراء کی روشنی میں محمد قاسم عطاری، مولانا مودودیؒ کے نزدیک نکاح کی شرعی حیثیت (سنتِ مؤکدہ) میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

2۔ نکاح کی شرعی حیثیت

جس طرح مرد کے لئے نکاح کی شرعی حیثیت ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی نکاح کی شرعی حیثیت ہے اور یہ حالات پر منحصر ہے۔ جسے عطاری صاحب نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے صرف نکاح کے سنتِ مؤکدہ ہونے کو ہی بیان کیا ہے۔ نکاح کی حیثیت سنت، فرض، واجب وغیرہ کی ہے جس کی جھلک صراط الجنان اور دیگر علماء کے اقوال کی روشنی میں ملتی ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے اس حوالے سے کوئی بحث نہیں کی۔

جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسی عورت جس کو یہ خدشہ ہو کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت نہ کرسکے گی اور شوہر کے لازم حقوق بھی اس سے ادا نہیں ہو سکیں گے تو اس صورت میں عورت کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس صورت میں نکاح کرنے سے گناہ گار ٹھہرے گی۔ اگر اسے زنا میں پڑنے کا یقین ہو اور مرد کے حقوق ادا نہ کرنے کا یقین ہو تو اس صورت میں عورت کا نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح نکاح کی شدید حاجت ہے کہ اس کے بغیر عورت کو معاذاللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہے تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے اور اگر زنا میں پڑنے کا کلی یقین ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض ہے۔ اسی طرح حالت اعتدال کی صورت میں (نہ نکاح سے بلکل بے پروائی ہو، نہ اس شدت کا شوق ہو کہ نکاح کے بغیر گناہ میں پڑنے کا یقین ہو) تو اس وقت نکاح کرنا سنت ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی شرعی حیثیت حالات کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔

1۔ الحصکفی، **الدر المختار**، ص: 4/74

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 2/200

اسلام نے جو واضح تعلیمات دی ہیں دیگر مذاہب کی تعلیمات اور ان کے اصول انتشار کا شکار ہیں۔ دیگر مذاہب کھل کر زوجین کے حقوق کی بات نہیں کرتے۔ ان کے مذاہب میں تعلیمات کی اصل نہیں ہے۔ ان کے علماء بھی اس چیز کو واضح نہیں کرتے، دوسری طرف اسلام نے زوجین کے حقوق کو ایک مضبوط رشتے سے مشروط کیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات اٹل اور حکمت پر مبنی ہیں، اس کی تعلیمات بھی واضح ہیں اور علماء بھی واضح الفاظ میں اس پر بحث کرتے ہیں اور ہمیں دینِ اسلام کی دیگر تعلیمات اور احکامات کی طرح عائلی مسائل واحکامات سے آگاہ بھی کرتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک خوشحال زندگی گزارنا ممکن ہے۔ نکاح کو اسلام نے بڑے احسن انداز سے پیش کیا ہے کہ نکاح سے ایک ایسے عظیم رشتے کی بنیاد پروان چڑھتی ہے جس سے مستحکم معاشرے کا قیام ممکن ہوتا ہے اور آپس میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ بھی ملتا ہے۔ نکاح ہی کے ذریعے معاشرہ پُر امن رہتا ہے۔ نکاح ہی کے ذریعے حیاء جڑ پکڑتی ہے اور بے حیائی کا خاتمہ ممکن ہے۔ نکاح ہی کے ذریعے معاشرے کا وقار برقرار رہتا ہے اور انسان معاشرے کے ساتھ منسلک رہتا ہے۔ جہاں نکاح کرنے پر اس قدر زور دیا گیا ہے وہاں اسلام کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی نکاح کرنے سے عاجز ہو تو اپنے دامن کو محفوظ رکھے۔ یہ بھی اس شخص کے لیے بہتری کی علامت ہے جبکہ نکاح کی استطاعت ہونے کے باوجود بھی کوئی شخص نکاح کو ترک کرے تو اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے تو ایسے شخص کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ الغرض عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے نکاح کی شرعی حیثیت کے حوالے سے احسن انداز میں بحث کی ہے جس سے یہ پتہ چلا کہ نکاح کی مختلف صورتیں ہو سکتیں ہیں اور یہ حالات پر منحصر ہے۔ نکاح کا سنتِ مؤکدہ ہونے پر تو جانبین میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ دیگر صورتوں کے حوالے سے دیگر آراء کی روشنی میں عطاری صاحب نے بحث کی ہے اور قارئین دیگر علماء کے پیشِ نظر قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

مہر اور نان ونفقہ

مہر اور نان ونفقہ عائلی مسائل میں اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں پہلوؤں پر شریعتِ اسلامیہ نے بہت زور دیا ہے۔ مہر ہی وہ مال ہے جس کے عوض مرد کو حقِ زوجیت حاصل ہے، یہ اور بات ہے کہ عورت حقِ مہر میں سے پورا یا کچھ حصہ معاف کر دے، اسی طرح نان ونفقہ کو بھی ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے ادا کرنے سے زوجین کی زندگی میں امن کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اس کی عدم ادائیگی آپس میں انتشار جنم لی سکتا ہے۔ یہ اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ اس نے عورتوں کے حقوق کا خیال رکھا اور اس بات کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شریعتِ مطہر عورت کو کس

مؤدبانہ انداز سے دیکھتی ہے ؟اور کس طرح مرد کی زندگی میں اسے امتیاز حاصل ہے۔ذیل میں سب سے پہلے مہر سے متعلق مسائل واحکا،م کو بیان کیا جارہا ہے۔

مہر کی ضرورت واہمیت

اسلام میں مہر کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور یہ نکاح کا اہم جزو ہے جس کا ادا کرنا لازم ہے۔دورِ حاضر میں کسی اور مذہب میں عورت کے لیے مہر کی سہولت کی صورتِ حال اسلام کی طرح موجود نہیں ہے۔

جیسا کہ یہودی مذہب میں مہر کا تصور ملتا ہے لیکن یہ عورت کا معاشی یا قانونی حق نہیں سمجھا جاتا اس لیے یہودی قانون میں مہر کا تذکرہ اشارتاً تو ملتا ہے لیکن صراحتاً اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔جیسا کہ محمد عبد الرحمن یہودی مذہب میں مہر سے متعلق لکھتے ہیں:یہودی مذہب میں عورت کا مذہب ہوتا ہے اور وہ اس کی مالک بنتی ہے، لیکن یہ اس کا قانونی یامعاشی حق نہیں ہے کہ اس کو اتنی اہمیت دی جائے۔ (1)

اس سے پتہ چلا کہ مہر کا واضح تصور اسلام نے ہی پیش کیا ہے جب کہ دیگر مذاہب اس حوالے سے واضح بات نہیں کرتے اور نہ ہی بات کر سکتے ہیں۔

اسی طرح نصرانیت مذہب میں مہر کے حوالے سے سید نعیم بادشاہ نے اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

" نصرانیت کے نزدیک مہر کا کوئی تصور نہیں، ان کی مذہبی کتب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا لیکن وہاں کچھ نہیں ملا اور اُن کے علماء اور پادریوں سے بھی رابطہ ہوا لیکن اُن پادریوں نے بھی نہیں بتایا" (2)

"اسی طرح انگلستان کے قانون کے تحت شادی کے بعد عورت مرد کی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتی تھی۔یہ اصول بھی وہاں رائج تھا کہ شادی کے بعد عورت کے ذمہ جو قرض ہو گا وہ مرد ہی کے ذمے ہو گا اور وہ اس کے مال و دولت کا حقدار ہو گا"(3)

اسلام نے عورت کے حقوق کو جس انداز سے خاص خیال رکھا اس کی نظیر دیگر مذاہب میں نہیں مل سکتی۔مہر کی اہمیت اس قدر ہے کہ اگر مہر کا تقرر عقدِ نکاح میں نہ بھی کیا جائے تو مہر مثل ادا کرنا واجب ہو گا،لہٰذا مہر کی

---

1 ۔عبد الرحمن، خان ایم، **عورت انسانیت کے آئینہ میں**،،(لاہور:شیخ اکیڈمی،1974ء)،ص:140

2۔ نعیم بادشاہ، **اسلام اور دیگر الہامی مذاہب میں نکاح کی شرعی حیثیت:ایک تقابلی جائزہ**،(بنو یونیورسٹی، ضلع بنوں، خیبر پختونخواہ2016ء)

3۔ عمری، جلال الدین، **عورت، اسلامی معاشرے میں**, (لاہور:اسلامی پبلیکیشنز،شاہ عالمی مارکیٹ،4اگست 2011ء)،ص:27

اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ مہر کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں یہ بطور قرض باقی رہے گا اس لیے اسلام نے اسے نکاح کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ قرآن میں اسے خوش دلی سے ادا کرنے کی تلقین کی گئ ہے جبکہ احادیثِ مبارکہ میں مہر ادا نہ کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ محمد قاسم عطاری نے مہر کے متعلق احسن نداز سے بحث کی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ (1)

ترجمہ (اور عورتوں کے مہر خوش دِلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اُسے مزے سے کھا سکتے ہو) (2)

اس آیت میں عورتوں کے حقوق (مہر) کی صورت میں واضح کیے گئے ہیں کہ اسلام نے یہ شرف عورت کو عطا کیا ہے کہ مرد کو عورتوں کے لیے مہر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس قدر اسلام نے عورتوں کے حقوق کا خیال رکھا، کسی اور مذہب میں اس مثال ملنا ناممکن ہے۔ ایک طرف مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بخوشی عورتوں کے مہر مقرر کرو کرو دوسری طرف یہ بھی حکم دیا گیا کہ اس مال میں سے عورتوں کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں لیا جا سکتا جبکہ عورت اگر اپنے مال میں سے کچھ معاف کرنا چاہیں تو وہ مال بخوشی مرد بھی لے سکتا ہے۔

مذکورہ آیت میں عطاری صاحب نے مہر کی ادائیگی کے حوالے سے بیان کیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو بخوشی مہر کی ادائیگی کریں اگر عورتیں خود اپنی مرضی سے اس مہر میں سے کچھ معاف کر دیں تو مرد اسے پاکیزہ طریقے سے کھائیں اور اس مال میں کھانے سے ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ (3)

روزمرہ کے معاملات کو دیکھا جائے تو ایک شخص کسی کو کوئی چیز بطور تحفہ دے یا اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس کی مدد کرے تو وہ شخص دیا ہوا مال واپس نہیں لیتا اور یہ رواج ماضی سے چلا آرہا ہے اور حال میں بھی جاری وساری ہے۔ اسی طرح ایک مرد عورت کو دیا ہوا مال بغیر اس کی اجازت کے واپس نہیں لے سکتا اگر وہ

1۔ النساء: 4

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص: 1/322

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 2/164

بخوشی مال واپس کر دیتی ہے تو مرد کو مال لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ مال مجبور کر کے نہیں لیا جائے گا بلکہ عورت رضامندی سے دے گی۔

جیسا کہ امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں:

((عَنْ عَبْدُ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُفِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ)) (1)

ترجمہ: (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اپنے ہبہ کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو خود چاٹ جاتا ہے۔ ہمارے لیے اس طرح کی بری مثال مناسب نہیں۔

اس حدیث میں مہر کو ادا کرنے کا پابند کیا گیا ہے اور دیے ہوئے مال کو واپس لینے سے سختی سے منع کیا گیا۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِی یَتٰمَی النِّسَآءِالّٰتِیْ لَاتُؤْتُوْنَهُنَّ ما کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَان بِہ عَلِیْمًا﴾ (2)

ترجمہ: (لوگ تم سے عورتوں کے معاملے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں اُن کے معاملے میں فتویٰ دیتا ہے، اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہے جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بناء پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو)، اور وہ احکام جو اُن بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھانساف پر قائم رہو، اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی) (3)

1۔ بخاری، **الجامع الصحیح** كِتَاب الْحِيَلِ، بَابٌ فِي الْهِبَةِ وَالشُّفْعَةِ، ح:6975

2۔ النساء:127

3۔ مودودی، *تفہیم القرآن*، ص:1/402-400

اس آیت میں نکاح کرنے کی طرف راغب کیا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا جو میراث میں حصہ بنتا ہے، انہیں ان کے حقوق سے محروم نہ کیا جائے بلکہ حقوق کی ادائیگی کا درس ہے اور جو یتیم ہیں ان کے حق میں انصاف سے کام لینے میں سستی اور کاہلی کرنے سے گریز کیا جائے۔ اسلام کی تعلیمات اس قدر حکمت پر مبنی ہیں نکاح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ اسی سے رشتے کا تقدس برقرار رہتا ہے۔

عطاری صاحب نے مذکورہ آیت سے اخذ ہونے والے احکامات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے دو مسئلے سامنے آئے ایک وراثت کے متعلق جبکہ دوسرا مہر کی عدم ادائیگی کی ممانعت کے متعلق ذیل میں ان پہلوؤں کو نکات کی صورت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

1۔ وراثت

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب عورت اور چھوٹے بچوں کو میت کے مال کا وارث قرار نہیں دیتے تھے، جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورت اور چھوٹے بچے وارث ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مذکورہ آیت سے جواب دیا۔[1]

یعنی کہ نبی ﷺ نے اس عورت کو مذکورہ آیت کا نقشہ سامنے رکھ کر بتایا کہ مالِ وراثت کی تقسیم پر شریعتِ مطہر نے کس انداز سے زور دیا ہے۔ جہاں ہر حق اسلام نے دیا وہاں وراثت کی صورت میں بھی حق اسلام نے دیا ہے جس کے متعلق مفسرین و علماء کرام نے احسن انداز سے بحث کی ہے۔ اسلام حقوق کے معاملے میں زندگی کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک انسان کا سہارا بنتا ہے جبکہ دیگر مذاہب میں اس قدر خوبصورت تعلیمات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے علماء اس چیز پر بحث کرتے ہیں۔

جس طرح وراثت کے معاملے میں اسلام نے توجہ دلائی، اسی طرح مہر کے متعلق بھی مردوں کو اپنی عورتوں کے لیے مہر کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 2/359

2۔ مہر ادا نہ کرنے کی ممانعت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یتیموں کے اولیاء کا دستور یہ تھا کہ اگر یتیم لڑکی صاحب مال و جمال ہوتی تو اس سے کم مہر پر نکاح کر لیتے اور اس اندیشہ سے دوسرے کے نکاح میں بھی نہ دیتے کہ وہ مال میں حصہ دار ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر کے انہیں ان عادتوں سے منع فرمایا۔[1]

مذکورہ آیت میں دوسرا پہلو مہر کی عدم ادائیگی کی ممانعت سے متعلق ہے کہ دورِ جاہلیت میں یتیم بچیوں سے جو نکاح کیے جاتے تھے ان کے مہر ادا نہیں کیے جاتے تھے بلکہ عورت سے مال ہتھیا لیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس منفی سوچ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

اسی طرح نکاح کی ضرورت و اہمیت کے متعلق قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِم فِيٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾[2]

ترجمہ:(ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور ان کی مملوکہ کنیزوں میں مقرر کیا ہے)[3]

ان آیات کی تفسیر کی روشنی میں عطاری صاحب نے مہر کی اہمیت اور اس سے متعلقہ فقہی مسائل ذکر کیے ہیں جیسا کہ بیان کی گئ آیاتِ مبارکہ سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو ان کے مہر بخوشی ادا کریں۔ مہر کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ شرعی حق سمجھ کر ادا کریں یہ عورت کا حق بھی ہے۔ یہ عورت کا اختیار ہے کہ اگر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ بخوشی معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے اور مرد کا اس مال میں کچھ لے لینا مواخذے کا باعث نہیں ہو گا۔[4]

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/359

2۔ الاحزاب:50

3۔ ایضاً، ص:8 /65

4۔ ایضاً

بیان کی گئ قرآنی آیات میں سے دوسری آیت میں قرآن پاک میں یتیموں، بیواؤں اور معاشرے کے کمزور افراد کے لیے ہدایات دی گئ ہیں جن سے معلوہوا کہ ان افراد اور محروم لوگوں کو ان کے حقوق دلانا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور اس کے لیے کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔[1]

اسی طرح تیسری آیت میں مردوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ مہر کو ادا کرو اور نکاح کے لیے گواہ بنالو اور نکاح کی تعداد کو شریعت کے مطابق ملحوظِ خاطر رکھو یعنی (چار آزاد عورتوں تک کو نکاح میں لانا) اور جو ان کی ملکیت میں کنیزیں ہیں ان کے متعلق احکام نازل کر دیے گئے ہیں۔[2]

ان آیاتِ کریمہ کی تعلیمات کو بغور دیکھیں تو اس میں ان پیچیدہ باریکیوں کا حل ہے جن باریکیوں کو حقوق کے نام پر اچھالا گیا ہے۔ اگر ہم پہلے کی تہذیبوں کو دیکھیں تو مرد کے نزدیک عورت اتنی اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ مرد کی زندگی میں اسے باقائدہ حصہ دیا جائے۔ یہ آیات معاشرے کے کمزور سمجھے جانے والے افراد کے حقوق کو سامنے لا رہی ہیں۔ کمزور اور گرے ہوئے طبقات کے درمیان میں ہی عورت کے حصے کی بات ہو رہی ہے تو اس کا مطلب عورت کی اہمیت اس طرح نہیں تھی جس طرح اسے انسانی زندگی میں اہمیت حاصل ہے۔

تجزیہ

اسلام خواتین کے حق میں بڑا ہی نرم واقع ہوا ہے۔ ان کی فطری کمزوریوں کو بھی سامنے رکھا ہے۔ شریعت مطہر میں مختلف مواقع پر مردوں کو اس بات کی تلقین کی گئ ہے کہ وہ عورتوں کے معاملے میں عفو و درگزر اور نرم خوئی سے کام لیں۔ ان کے جذبات کو ملحوظ رکھیں نیز ان کی نفیس طبیعت کا بھی خیال رکھیں۔ یہ اسلام کا ہی مزاج ہے جس نے عورتوں کو ہر جائز حقوق سے نوازا ہے اور اسے ادا کرنے کے لئے مردوں کو پابند کیا گیا ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب میں عورتوں کے حقوق پامال ہوتے نظر آتے ہیں۔ عورت کی جو حیثیت ہونی چاہیے وہ نصرانیت، عیسائیت وغیرہ مذاہب میں نہیں ملتی بلکہ عورت کو ہر لحاظ سے اذیت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ الغرض اسلام نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ ہیں وہ ان کے حقوق کو بجالائیں، ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھیں۔ انہیں ہر طرح کے جائز حقوق سے محروم نہ رکھا جائے۔

---

1 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/65

2 ۔ ایضاً

امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں :

((عَنْ أنَسٍ رَضِیَ الله عَنْه:أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَمْ رَأَىْ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰن بْن عَوْفٍ أَثَرَصُفْرَةٍ فَقَالَ:مَاهٰذَا؟قَالَ إِنِّي تَزَوْجْتُ امْرأة عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أوْلِمْ وَلُو بِشَاة)) [1]

ترجمہ:(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ [2] پر کچھ زردی دیکھی تو پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عورت سے گٹھلی کے برابر سونے پر نکاح کرلیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایاولیہ کرخواہ ایک بکری سے)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مہر کسی صورت بھی معاف نہیں، جو میسر ہو وہ مہر ادا کرنا ہی پڑے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہوا کہ تھوڑے سے سونے پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے نکاح کیا۔

اسی طرح مزید روایت بیان کرتے ہیں کہ

((عَنْ سَهل بن سَعْدِ السَّاعِدِيّ قَالَ جَاءَتْ امْرَاةِ إِلَى رَسُوْلِ الله صَلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ جِئتُ اهَبُ لَكَ نَفْسِي قَالَ فَنَظَرَ إلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيه وَسَلَّم فَصَعَّدَ النَّظَرَفَيْهَا وَصَوَّبُهُ---الخ)) [3]

ترجمہ: (حضرت سہل بن الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا)

1۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابٌ كَيْفَ يُدْعَى لِلْمُتَزَوِّجِ، ح:5155

2 ۔ آپ نام عبد الرحمن، کنیت ابو محمد، والد نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا۔ آپ کی پیدائش 580ء مکہ میں ہوئی۔ آپ اور آپ کے والد دونوں زہری کاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن کا اصل نام عبد عمرو تھا لیکن ایمان لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نام بدل کر عبد الرحمن رکھا۔ آپ 654ء میں انتقال کر گئے۔(نیشاپوری، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، (بیروت: دارالمعرفہ الاسلامیہ)ص:276/4)

3۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابٌ كَيْفَ يُدْعَى لِلْمُتَزَوِّجِ ح:5078

رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر اٹھائی پھر نیچے کرلی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر جھکالیا)[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک عورت نے نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ کو اپنا نفس ہبہ کرنا چاہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اور سر کو جھکادیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورت کے اس سوال پر کسی وجہ سے خاموش رہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ایک صحابی نے ان سے نکاح کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے نکاح کو عورت کے لیے کوئی چیز بطور مہر کے ساتھ خاص کردیا۔

امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ عُقْبَةَبْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْه وَسَلَّم أَحَقَ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوَفُّوْا بَهِ مَا اسْحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ))[2]

ترجمہ:(حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (نکاح کی) شرطوں میں سے جس شرط کا پورا کرنا تمہارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے وہ وہی شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے عورتوں کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔

اس حدیث میں نکاح کرنے کے لیے مہر کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی نکاح کی اہمیت واضح کی گئ ہے۔ اسی طرح مہر کی عدم ادائیگی سے متعلق حدیث ملاحظہ ہو۔

امام احمدؒ المتوفی 279ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ صهيْبِ بْنِ سِنَانٍ يُحَدِّثُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَآله وَسَلَّم اَيُّمَارَجُلٍ أَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًاوَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّ لَا يُرِيْدُ أَدَائَه اَلَيْهافَغَرَّهابِاللّٰہ وَاسْتَحَلَّ فَرْجَها بِالْبَاطِلِ لَقِىَ اللهَ يَوْمُ الْقَيامَۃِ ۔۔۔وَهوَ سَارِقٌ))[3]

ترجمہ:(حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہیں، اس شخص نے اس عورت کو دھوکہ

1۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/571-570

2۔، بخاری، **الجامع الصحیح**، کِتَابُ الشُّرُوطِ،بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ،ح:2721

3۔ احمد بن حنبل، **المسند للامام احمد**، (بیروت: دارالفکر، 1414ھ) كِتَابُ النِّكَاحِ، ح : 18932

دے کر اس کی فرج کو حلال کر لیا ، قیامت کے دن وہ اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی شخص سے قرض لیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ اس قرض کو واپس کرنے کا نہ تھا، بخدا اس نے اس شخص کو دھوکہ دیا اور باطل کے عوض اس کے مال کو حلال کر لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا)

اس حدیث میں یہ واضح ہوا کہ عورت کا مہر مقرر کرنے کے بعد اسے دے دیا جائے ، اگر اس شخص کا مہر ادا کرنے کا ارادہ نہیں تو وہ زانی تصور کیا جائے گا۔ مہر عورت کا شرعی حق ہے لہٰذا جو مقرر کیا جائے تو اسے ادا کرنا مرد پر لازم ہے، یہ اور بات ہے کہ عورت خود اپنے مال میں سے شوہر کو کچھ معاف کر دے لیکن مرد کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کے مال کو حاصل کرے یا اس کے مال پر غاصبانہ قبضہ کر لے۔ اسی طرح جس شخص سے جو قرض لیا جائے اسے بروقت ادا کرنا چاہیے، اگر ایسا نہیں تو گویا اس نے دھوکے سے کام لیا تو اللہ ایسا کرنے سے اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی اور شریعت کے اصولوں کو توڑنا ہے جو کہ اس شخص کے لئے نقصان کا باعث ہے۔ اسلام کی تعلیمات اس قدر اہمیت کی حامل ہیں کہ ان پر چل کر انسان پر امن زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی تعلیمات جامع، مستند اور انسانی زندگی پر محیط ہیں، اس کے برعکس دیگر مذاہب کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعلیمات غیر واضح اور انسانی زندگی کو جامع تعلیمات فراہم نہیں کرتیں، اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کو دیگر مذاہب میں فوقیت حاصل ہے۔ مہر کی عدم ادائیگی سے متعلق مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

علامہ البانیؒ المتوفی 1999ء روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ مَيْمُوْنِ الْكُرْدِىّ عَنْ اَبِيْه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّم يَقُوْلُ أيُّمارجل تَزَوَّجَ إمرأةًعلى ما قَلَّ مِنَ المَهْرِأوْ كَثُرَليس فى نفسِهِ أنْ يُؤَدِّيَاإلَيهَا حقَّها خَدعَة فماتَ ولمْ يُؤَدِّإليهَاحقَّها لَقِيَ اللهَ يومَ القيامةِ وهوَ زَان)) [1]

ترجمہ:(میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ کم یا زیادہ حق مہر پر نکاح کیا جبکہ اس کے دل حق مہر ادا کرنے کا نہیں تھا تو اس نے بیوی

1 ۔البانی، محمد صر الدین، **صحیح الترغیب والترھیب**، مترجم: حافظ محمد ساجد حکیم (ممبئ: دار العلم، 2015ء) ح:1807 ص:1/ 637

کے ساتھ دھوکے بازی سے کام لیا اور اگر حق مہر ادا کرنے سے پہلے ہی اس کی موت واقع ہو گئ تو روزِ قیامت وہ اللہ کے روبرو ایک زانی کی حیثیت سے پیش ہو گا)

مہر کی اہمیت کے پیشِ نظر احادیث میں جگہ جگہ بیان موجود ہے کہ نکاح کرتے وقت جو مہر بھی مقرر کیا جائے اس کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے۔ اس سے اسلام کی حقانیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس نے دینا کے ہر میدان میں عورت کے جائز حقوق کا لحاظ رکھا۔ لہٰذا مہر کو بوجھ نہیں بلکہ شریعتِ مطہر کا فرض سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد اسے ادا کرنے کی نیت ہی نہ ہو تو ایسا کرنے پر نبی ﷺ نے سختی کا اظہار کیا ہے جیسا کہ احادیث کی روشنی میں بیان کیا جا چکا ہے۔ الغرض جو شخص نکاح کے وقت مہر مقرر کرنے کے بعد اسے ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو ایسے شخص کا نکاح نہیں درست نہیں کیونکہ جب بنیاد ہی کمزور ہو گی تو پھر زوجین کی زندگی امن کی فضا سے محروم ہو جاتی ہے۔

مہر کی مقدار

اپنے مال کو "مہر" کی حیثیت سے ادا کرنا تو طے شدہ ہے اور اس بات میں مفسرین اور فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مہر چاہے نقد صورت میں ہو یا سونا، چاندی یا کسی بھی قسم کے مال کی صورت میں اسے بطور مہر پیش کیا جا سکتا ہے اور مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص زیادہ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کی ادائیگی بھی کرنے کی استاعت رکھتا ہے پھر زیادہ مہر مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر اتنا مہر ادا نہیں کر سکتا پھر وہ اس قدر مقرر نہ کرے مہر کی کم از کم مقدار سے متعلق اختلاف ہے، مہر کی مقدار کے ی تحدید کے حوالے سے جہاں دیگر مفسرین اور فقہاء نے بحث کی ہے وہاں عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے اپنی تفاسیر میں بحث کی ہے، ذیل میں عطاری صاحب کی رائے کو پیش کیا جا رہا ہے۔

حق مہر سے متعلق، صراط الجنان کے مباحث

حق مہر نکاح کی ایک اہم شرط ہے جس کا پورا کرنا مرد پر لازم ہے مفسرین اور فقہاء کرام نے اپنے اپنے فہم کے مطابق جہاں دیگر مسائل پر بحث کی ہے اور حق مہر کی مقدار سے متعلق فقہی استدلال کو اپنایا ہے وہاں مفتی محمد قاسم عطاری نے بھی اپنی تفسیر صراط الجنان مین نہایت احسن انداز سے مہر سے متعلق مسائل اور حق مقدار سے متعلق بحث کی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غير مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِه مِنْهنَّ فَاٰتُوْهنَّ اُجُوْرَهنَّ فَرِيْضَةً وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِه مِنْۢ بَعْدِ الفرِيْضَةِاِنَّ اللّٰہ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾[1]

ترجمہ:(ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا بشرط یہ کہ حصارِ نکاح میں اُن کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر جو ازدواجی زندگی کا لُطف تم ان سے اٹھاؤ، اس کے بدلے اُن کے مہر بطور فرض کے ادا کرو، البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ علیم اور دانا ہے)[2]

عطاری صاحب سورۃ النساء کی آیت(24) میں حق مہر کے متعلق فقہی مسائل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم دس درہم مقدار ہے جبکہ اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔۔ چاندی کی صورت میں اس کا وزن دو تولے ساڑھے سات ماشے ہے اس کی جو قیمت بنے گی وہی مہر کی کم از کم مقدار کہلائے گی اور زیادہ کی کوئی حد نہیں جتنا چاہے مقرر کر سکتے ہیں لیکن مہر اتنا ہو جتنا آسانی کے ساتھ ادا ہو سکے اور مہر بھی وہ جو مال ہونے کی حیثیت رکھتا ہو یعنی مہر کا مال ہونا بھی ضروری ہے اور جو چیز مال نہیں وہ مہر بھی نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ مہر یہ ٹھہرا کہ شوہر اپنی بیوی کو علمِ دین پڑھائے گا تو اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہ کیا ہو یا مہر کا انکار کیا ہو کہ مہر کے بغیر نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو گئی یا دونوں(زوجین) میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا اور نکاح کے وقت میاں بیوی میں کوئی مہر طے نہیں پایا تھا تو اس صورت میں بھی مہر مثل دینا ہو گا اور جو طے ہوا تو وہ واجب ہے۔[3]

مصنف چونکہ حنفی(بریلوی مسلک) سے ہیں اور احناف حق مہر کی کم از کم مقدار سے متعلق مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

علامہ سرخسیؒ المتوفی 483ھ مہر کی تحدید سے متعلق مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

---

1 ۔ النساء:24

2 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/341۔339

3 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/194

((حَدِيثُ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْه اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ قَالَا: لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ ولا يُزَوَّجُهُنَّ إِلَّا الْأَكْفاءِ وَلَا مَهرَ دُونَ عَشَرَةِ دِراهمَ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْه اَنَّ النَّبُّى صَلَى اللهُ عَلَيْه وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فَى اَقَلَّ مِن عَشْرَةوَدِرَاهم وَلَا مَهرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دِراهمَ)) [1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سنو عورتوں کے نکاح صرف کے اولیاء (سرپرست) کریں اور ان کا نکاح صرف انکے کے کفو (خاندان) میں کیے جائیں اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے اور وہ دس درہم ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہو گیا اور اس حدیث کے تحت نبی ﷺ نے اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ عورتوں کے نکاح ان کے کفو میں کیے جائیں اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ بھی کیا گیا ہے:

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِم فِيٓ اَزْوَاجِهِم وَ مَا مَلَكَت اَيْمَانُهُمْ﴾ [2]

ترجمہ: (ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور ان کی مملوکہ کنیزوں میں مقرر کیا ہے) [3]

اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ مسلمان مردوں پر یہ لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر کی ادائیگی کریں۔

علامہ سعیدیؒ حق مہر کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ عورت کا عضو خاص بھی اس کے نفس کے حکم میں شامل ہے اور مال ہی وہ شے ہے جو شرعاً بدل کی حیثیت سے مقرر ہوتا ہے، جیسا کہ دیت میں ہے، اور ہر وہ مال جو شرعاً واجب ہو اس کی مقدار بھی بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی مقدار مقرر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت کی طرف بھی اشارۃً

1۔ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، **المبسوط**، (بیروت، دارالمعرفہ، 1414ھ)، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ الْمُهور

2۔ الاحزاب:50

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/165

فرمایا گیا ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی عضو کو مباح کیا جاتا ہے بلکل اسی طرح مہر کی مقدار کا تعین بھی شرعاً ہونا چاہیے۔[1]

مذکورہ رائے سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت میں مہر کی تحدید کا تعین ہے یعنی کہ اس کی کم از کم مقدار مقرر ہے۔

تفہیم القرآن کی روشنی میں مہر کی مقدار کے متعلق بیان

مولانا مودودیؒ حق مہر سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی کے فیصلے کا مطابق اگر کسی عورت نے مہر میں سے شوہر کو پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دیا ہو اور بعد میں بیوی پھر اس کا مطالبہ کرے تو شوہر کو مہر ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔[2]

اس رائے سے معلوم ہوا کہ مہر اس قدر اہم ہے کہ اگر بیوی مہر میں سے کچھ حصہ معاف کر دے اس کے باوجود اسے مہر کے مطالبے کا حق ہے۔ مہر کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

"نکاح کے وقت میاں بیوی کے مابین جو مہر مقرر ہوا اس کی ادائیگی مرد پر لازم ہے[3]

مولانا مودودیؒ مہر کی تحدید کے قائل نہیں ان کے نزدیک جو مہر بھی میسر ہو وہ ادا کر دینا چاہیے۔

مولانا مودودیؒ کے نزدیک جہاں تک مہر کے کم ہونے کا تعلق ہے تو قانون اس کی اجازت نہیں دیتا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مہر کی زیادتی میں مبالغہ کرنا اور مرد کی قوت برداشت سے زیادہ مہر باندھنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔"[4]

مولانا مودودیؒ کی رائے سے معلوم ہوا کہ مہر کی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے۔

---

1 ۔ سعیدی، تبیان **القرآن**، ص:2-576-575

2 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/322

3۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **حقوق الزوجین**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز 13۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، الطبع الاول، 1943ء)، ص:32

4 ۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:32

فقہاء کے نزدیک مہر کی مقدار

فقہاء کے نزدیک حق مہر کی مقدار سے متعلق مختلف آراء ہیں جو کہ ذیل میں بیان کی جارہی ہیں۔

1۔ فقہاء احناف کی رائے

مذکورہ سطور میں علامہ سرخسیؒ کا مہر سے متعلق فقہی استدلال بیان کیا جاچکا ہے۔ جس میں انہوں نے مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم بیان کی ہے اور اس حوالے سے دیگر کئی معروف علماء متفق ہیں کہ شریعت میں مہر کی مقدار کو مقرر کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص مہر کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور اس سے کی عدم ادائیگی سے بچ سکے۔ اس سے نکاح کی عظمت بھی عیاں ہے کہ اسلام نے نکاح کے ساتھ مہر کو بھی مقرر کرنے اور اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ اس طرح مہر کی مقدار کے حوالے سے یہاں اسی سے مطابقت رکھتی ہوئی ایک اور فقہی دلیل علامہ ابنِ حمامؒ حنفی المتوفی 861ھ نے بیان کی ہے:

ابنِ حمام حنفی المتوفی 861ھ یہ حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں: امام دارقطنی المتوفی 385ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ:قَالَ رُسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ علیهِ وسلم لَا تَنْكِحُوا النِّسَاءَ إِلَّا الْأَكفَاءَ وَلَا يُزَوِّجُهُنَّ إِلَّا الْأَولِيَاءُ وَلَا مَهْرَ دُوْنَ عَشَرَةِ دِرَاهِمَ)) [1]

ترجمہ:((حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے))

اس حدیث میں مردوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اپنی عورتوں کا نکاح اپنے سرپرست اور کفو میں کرواو کر اور دس درہم مقدارِ مہر سے نکاح کرو۔ اس میں نکاح اور مہر کی اہمیت واضح ہے۔ کفو میں نکاح کرنے کی حکمت یہ ہے کہ زوجین کو فتنے سے بچایا جائے۔

1 ۔ دارقطنی، علی بن عامر، **سنن الدارقطنی**، کِتاب النکاح ، با بُ المھر، **ملتان**:1/ح:3601

علامہ عظمی حق مہر کی مقدار کے حوالے سے لکھتے ہیں: مہر کی مقدار کم سے کم دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشے (3100 گرام) چاندی یا اسکی قیمت ہو، آج کے دور میں اس کی قیمت کا تناسب پانچ ہزار پ لے قریب پاکستانی روپے ہے۔ اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔ اگر درہم کے سوا کوئی اور چیز مہر قرار پائی ہو اس کی قیمت عقد کے وقت دس درہم سے کم نہ ہو[1]

اسی طرح ان کے نزدیک نکاح میں دس درہم یا اس سے کم مہر باندھا گیا تو دس درہم واجب اور زیادہ باندھا ہو تو جو مقرر ہوا وہ واجب ٹھہرا۔[2]

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ مہر کی کم از کم مقدار دس رہم ہے۔

2۔ فقہاء شافعیہ کی رائے

فقہاء شافعیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار میں اختلاف پایا جاتا ہے اور امام شافعی اور ان کے پیروکار اس کی تحدید کے قائل نہیں ہیں اس حوالے سے امام شافعی اور ان کے رفقاء مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ المتوفی 204ھ حضرت سعید سے مرفوعاً روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ مَرْفُوْعاً قَالَ الشَّافِعُ رَحِمَهُ اللهُ وَ بَلَّغْنَا اَنَّ عَمَرَ بْنَ الْخَطَّاب رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: فِیْ ثَلَاثٍ قَبْضَاتُ زَبِیْب مَهر))[3]

ترجمہ: (حضرت سعید کے (مرفوعاً) پر امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: کہ ہم تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ مہر میں تین مٹھی انگوروں کا جہیز ہے)

اس سے پتہ چلا کہ مہر کی مقدار متعین ہے۔

1۔ اعظمی، محمد امجد علی، **بہارِ شریعت**، (مجلس المدینۃ العلمیہ، 23 رمضان المبارک، 1430ھ بمطابق 14 ستمبر 2009ء)، ص:2/64

2۔ اعظمی، **بہارِ شریعت**، ص:2/65

3۔ الشافعی، محمد بن ادریس، **کتاب الام**، (بیروت: دار الفکر 1410ھ) کتاب النکاح، ص:5/65

اسی طرح تابعین میں سے حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن مسیّبؒ [1] کا یہ مذہب ہے یہاں تک تابعیِ رسول، حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی صاحبزادی کا دو درہم مہر مقرر کیا۔

((انَّ سَعِيْد بْنَ الْمُسَيَّب زَوْجُ ابْنَتُهُ ابْنِ أَخِيْهِ عَلَى دِرْهَمَيْنِ)) [2]

ترجمہ:(کہ حضرت سعید بن المسیب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا)

قرآن مجید سے اس کا استدلال کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ قَدْ فَرَضْتُمْ﴾[3]

ترجمہ:(اور اگر تم عورتوں کو انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کے لیے کچھ مہر مقرر کر چکے کے ہو تو جتنا تم نے مقرر کیا تھا اس کا آدھا واجب ہے)[4]

امام شافعی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((وَبَلَّغْنَا اَنَّ رَسُوْلَ الله صَلَّى الله عَلَيْه وَسَلَّمَ اِجَازَ نكاحًا عَلَى نَعْلَيْنِ)) [5]

ترجمہ:(ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو جوتوں پر نکاح کو جائز قرار دیا۔

علامہ سعیدیؒ مہر سے متعلق امام شافعیؒ کے فقی استدلال اور اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی نے جو احادیث بیان کی ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے ،اس سے مراد مہر معجل[6] ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ہے۔اس کی دلیل یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ مہر تلاش کرو مہر فوراً ادا کرنا

---

1 ۔آپ کا نام سعید(642ء۔715ء)،کنیت ابو محمد ہے۔آپ جلیل القدر تابعی،والد اور دادا صحابی تھے۔آپ فتح مکہ کے دن مشرف با اسلام ہوئے۔ان کے والد مسیب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے،فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے۔(الزہری، محمد بن سعد، **الطبقات الکبیر**،(مکتبۃ الخانجی:1421ھ) ص:5/88)

2 ۔خراسانی،سعید بن منصور بن شعبہ، **سنن سعید بن منصور**،کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الصداق،ح:620

3۔البقرۃ:237

4 ۔عطاری، **صراط الجنان**،ص:1/413

5 ۔محمد بن ادریس، الشافعی، **کتاب الام**، کتاب النکاح، ص:5/65

6 ۔وہ مہر جو عقد کے وقت محفل برخاست ہونے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں مہر سے مہر معجل ہے o اور ہمارے نزدیک مہر معجل کی مقدار شرعاً مقرر نہیں ہے "[1]

احناف سورۂ احزاب کی آیت 50 کے تحت کہتے ہیں کہ چونکہ فرض کے معنی مقرر کرنے کے آتے ہیں، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مہر شرعاً مقرر ہے لیکن یہ آیت بیانِ مقدار میں مجمل ہے اور مذکورہ سطور میں حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ والی حدیث ہی وہ واحد حدیث ہے جس نے مہر کی مقدار کی تفصیل واضح کی، اور معلوم ہوا کہ مہر شرعاً متعین ہے جس کی حقیقی مقدار دس درہم ہے جو کہ دورِ حاضر میں دو تولہ اور ساڑھے سات ماشے یا اس کی جو موجودہ کرنسی کے مطابق مقدار بنتی ہے وہی مہر قرار پائے گا جبکہ اصل مقدار ہو ہے جو طرفین میں رضامندی سے طے پائے لیکن اس میں سنت اعتدال ہی ہے۔

مہر کی ادائیگی سے متعلق حدیث ملاحظہ ہو، اس حوالے سے امام ابو داؤد روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَن عبد الله ابنِ عَبَاس رَضِی الله عَنه قَالَ: اَنَّ عَلِیًّا لَمَّاَ تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ بِنْت رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی الله عَلَیْه وَسَلَّمْ،وَاَرَادَ اَنْ یَدْخُلُ بِهَا فَمَنِعَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی الله عَلَیْهِ وَسَلَّم حَتَّی یُعْطِیْهاَ شَیئا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی الله عَلَیْهِ وَسَلَّمْ لَیْسَ لِي شَيء فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ أَعْطِهاَ دِرْعَكَ فَاعْطَاهَا دِرْعَهُ ثُمَّ دَخَلَ بِهَا)) [2]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ُ نے رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے شادی کی اور حضرت علی نے ان کے ساتھ صحبت کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا حتی کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ: میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو، تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ مقاربت کی)

یہاں مقاربت سے پہلے کچھ مال دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

1 ۔ سعیدی، تبیان القرآن، ص:2/ 576۔575

2 ۔ ابو داؤد، **سنن ابو داود**، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ بِامْرَأَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُنْقِدَهَا شَيْئًا، ح: 212

3۔مالکی فقہاء کا استدلال

جس طرح امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب مہر کی مقدار کو چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کرتے ہیں اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کرتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک مقرر ہے۔

امام مالکؒ مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾[1]

ترجمہ: (اور جو شخص تم سے اتنی قدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (مُحصَنات) سے نکاح کر سکے، اسے چاہیے کہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاحکر لے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور مومنہ ہوں)[2]

اس آیت کے تحت علامہ غلام رسول سعیدیؒ لکھتے ہیں کہ:

"مذکورہ آیت میں طاقت سے مراد مرد کی مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ، ایک دمڑی یا مٹھی بھر جس کی ہر شخص استطاعت رکھتا ہے تو اگر مہر کی مقدار ایک پیسہ، ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی مالی طاقت ہوتی، امام مالک رحمتہ اللہ کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے اس لیے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام عبد البر نے اس استدلال پر کچھ یوں اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکی فقہاء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت نکاح کی طاقت نہ ہو پھر مسلمان باندی سے نکاح کرو اور جب کہ باندی کا مہر بھی ان کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ مراد لینی ہو گی"[3]

مالکی فقہاء کے عالم، علامہ الدسوقیؒ المتوفی 1219ھ لکھتے ہیں:

---

1 ۔ النساء:25

2 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/341

3 ۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/575

((اعلم ان اقل الصداق على المشهور ربع دينار او ثلاثة دراهم خالصة من الفضة او ما يساوی احدهما من العروض ولا حدّ لا كثرة)) [1]

ترجمہ: (مالکیہ کا مشہور مذہب ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار تین چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین درہم ہیں یا جو

اس کے مساوی سازو سامان ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے)[2]

مالکیہ کی اس رائے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار مقرر کی گئ ہے جبکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یہ شوہر پر منحصر ہے کہ زیادہ سے زیادہ کس قدر مہر کی ادائیگی کرے جس کی ادائیگی مرد کے لیے رکاوٹ کھڑی نہ کرے۔

4۔ حنبلیہ فقہاء کا استدلال

حنبلیہ کے نزدیک حق مہر جو بھی میسر ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

" وَيَسْتَحِبُّ اَنْ لَا يُعْرَى النِّكَاح عَنْ تَسْمِتِ الصَّدَاق "[3]

ترجمہ: (یعنی مستحب یہ ہے کہ نکاح مہر کے ذکر سے خالی نہ ہو)

حنابلہ کے نزدیک حق مہر مستحب ہے اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں صرف مہر کا پایا جانا لازم ہے۔

علامہ البانیؒ حق مہر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ حق مہر کی مقدار متعین ہو۔ حق مہر کی زیادہ مقدار کی بھی کوئی حد نہیں۔ " [4]

ارشادِ خداوندی ہے:

---

1 ۔المالکی، محمد بن احمد بن عرفہ ،حاشیہ: **الدسوقی علی شرح الکبیر**، (بیروت، دار الفکر)، ص:2/302

2 ۔سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/575

3۔ خرقی، ابو قاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ بن احمد، **شرح مختصر الخرقی**، ص:7/ 160

4 البانی، **الصحیح الترغیب والترھیب**، ص:1/ 637

﴿وَاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًافَلَاتَاۡخُذُوۡا مِنۡه شئاً﴾[1]

ترجمہ: (اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ واپس نہ لو)[2]

مذکورہ بحث کا تجزیہ

مہر کا وجوب ثابت ہے اور اسے نکاح کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ جو کہ مفسرین و فقہاء کے نزدیک بھی واضح ہے۔ البتہ اس کی مقدار کے حوالے سے مفسرین و فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ احناف کے نزدیک مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی جو حدیث مذکورہ بحث میں گزری، یہ واحد حدیث ہے کہ جس نے مہر کی مقدار کی تفصیل بیان کی۔ اسی طرح مالکیہ کے نزدیک تین چوتھائی درہم ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مہر کی مقدار متعین نہیں۔

حقِ مہر سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے تناظر میں حق مہر سے متعلق جو بحث گزری اور فقہاء اربعہ اور دیگر علماء کے نزدیک حق مہر کے حوالے سے جو بحث ہوئی اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان میں حق مہر سے متعلق مشترک اور متفرق پہلو دونوں کو ذکر کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں ان پہلوؤں کو بیان کیا رہا ہے۔

1۔ مہر کا حکم:

عطاری صاحب، مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرینِ کرام اور فقہاء سبھی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مہر کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اس حکم کے متعلق تمام علماء اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَير مُسٰفِحِيۡنَ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِه مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةًوَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَاتَرٰضَيۡتُمۡ

---

1 ۔ النساء:20

2 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/188

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾[1]

ترجمہ:(ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا بشرطیہ کہ حصارِ نکاح میں اُن کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر جو ازدواجی زندگی کا لُطف تم ان سے اٹھاؤ، اس کے بدلے اُن کے مہر بطور فرض کے ادا کرو، البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ علیم اور دانا ہے)[2]

اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جس عورت سے نکاح کرو تو جو مہر مقرر کرو اسے ادا کرو۔

اس آیت کے پیشِ نظر علامہ علامہ الرازی جصاص لکھتے ہیں:

"اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہو سکتا، دوسری یہ کہ مہر وہ چیز ہو ہو جس کو مال کہا جا سکے"[3]

اس سے معلوہوا کہ علماء کی آراء کی روشنی میں مفتی محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ کے مابین مہر کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی کہ اس کو ادائیگی لازمی ہے، جیسا کہ دیگر علماء نے بھی اس کے وجوب کے حوالے سے لکھا ہے جبکہ مہر کی تحدید کے متعلق مختلف آراء ہیں جنہیں مفتی محمد قاسم عطاری، مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرین و علماء کرام نے بحث کی ہے۔

2۔ مہر کی مقدار:

مہر کی مقدار کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ عطاری صاحب، اعظمی صاحب اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے جو کہ دس درہم ہے جبکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ جتنا آسانی سے ادا ہو سکے مقرر کر لینا چاہیے۔ اس طرح مالکیہ کے ہاں بھی مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے جو کہ تین چوتھائی ہے۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم کے حوالے سے مذکورہ بحث میں حدیث بھی گزر چکی ہے۔ جن کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

1۔ النساء:24

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/341-339

3۔ جصاص، **احکام القرآن**، ص:2/365

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُم﴾ [1]

ترجمہ:(ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور ان کی مملوکہ کنیزوں میں مقرر ہے) [2]

علامہ سعیدیؒ حق مہر کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ عورت کا عضو خاص بھی اس کے نفس کے حکم میں شامل ہے اور مال ہی وہ شے ہے جو شرعاً بدل کی حیثیت سے مقرر ہوتا ہے، جیسا کہ دیت میں ہے، اور ہر وہ مال جو شرعاً واجب ہو اس کی مقدار بھی بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی مقدار مقرر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت کی طرف بھی اشارۃً فرمایا گیا ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی عضو کو مباح کیا جاتا ہے بلکل اسی طرح مہر کی مقدار کا تعین بھی شرعاً ہونا چاہیے۔[3]

جبکہ مولانا مودودیؒ مہر کی تحدید کے قائل نہیں یعنی کہ مہر کی کم از کم مقدار شریعت نے متعین نہیں کی، ان کے نزدیک جتنا آسانی سے ہو سکے مقرر کر لینا چاہیے۔ جیسا کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مہر کی مقدار متعین نہیں ہے صرف مہر کا پایا جانا ضروری ہے۔

شوافع مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

((عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ مَرْفُوْعاً قَالَ الشَّافِعُ رَحِمَهُ اللهُ وَ بَلَّغْنَا اَنَّ عَمَرَ بْنَ الْخَطَّاب رَضِیَ اللہ عَنْه قَالَ: فِیْ ثَلاَثٍ قَبْضَاتُ زَبِیْبٍ مَهر)) [4]

حضرت سعید کے (مرفوعاً) پر امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: کہ ہم تک یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ مہر میں تین مٹھی انگوروں کا جہیز ہے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک جن احادیث میں مہر کی مقدار میں تحدید ہے وہ تمام کی تما احادیث مہر معجل کے ضمرے میں آتی ہیں ہیں تا کہ احادیث میں تطبیق ہو کیونکہ اہلِ عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ وہ مہر میں سے کچھ صحبت سے پہلے دیا کرتے تھے۔ تابعین رحمتہ اللہ علیہم نے کہا ہے جب تک شوہر، بیوی کے قریب جانے سے

1۔ الاحزاب:50

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، محمد قاسم عطاری، ص:2/65

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/576-575

4۔ الشافعی، **کتاب الأم**، کتاب النکاح ص:5/65

پہلے کوئی چیز نہ دے دے تو اس وقت تک شوہر بیوی کے پاس نہ جائے۔ یہ حضرات ابن عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم ، زہری اور قتادہ سے منقول ہے اوران کے نزدیک یہ دلیل ہے کہ کچھ دینے سے قبل حضرت محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو قریب جانے سے منع فرمایا تھا۔[1]

امام ابو داؤد روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَن ابنِ عَبَاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَنَّ عَلِيًّا لمَاَّ تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَليهِ وَسَلَّم،وَاَرَادَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَمَنِعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ حَتَّى يُعْطِيْهاَ شَيئًا، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْه وَسَلَّمْ لَيْسَ لِيْ شَيءُ.فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْه وَسَلَّمْاَعْطَهاَ دِرْعَكَ فَاعْطَاهَا دِرْعَهُ ثُمَّ دَخَلَ بِهَا))[2]

ترجمہ:(حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہُ نے رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے شادی کی اور حضرت علی نے ان کے ساتھ صحبت کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا حتی کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ: میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو، تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ مقاربت کی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کے لیے لازم ہے کہ شوہر مقاربت سے پہلے کچھ مال دے، نہیں تو بیوی کو یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کو صحبت سے روک لے، جبکہ بیوی اگر مہر معاف کر دے تو شوہر کے لیے کوئی بوجھ نہیں، لیکن یہ عورت پر منحصر ہے۔

الغرض مہر کی مقدار کی تحدید سے متعلق عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے۔ دونوں کے نزدیک دلائل ہیں اور باحث یہ معاملہ قارئین پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ مفسرین، فقہاء اور علماء کرام کی آراء کے پیشِ نظر قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

---

1 - **https://www.urdumehfil.com/ 25th November,2017**

2 ۔ابو داؤد، **سنن ابی داؤد**، كِتَابُ النّكَاحِ، بابٌ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ بِامْرَأَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُنْقِدَهَا شَيْئًا،ح:2126

نان ونفقہ، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

شریعتِ مطہر کا اصول ہے کہ یہ اعتدال پر مبنی ہے۔ جب مرد عورت ایک نکاح کے ذریعے ایک مقدس رشتے سے منسلک ہو جاتے ہیں تو ساتھ ہی مرد کو اس بات کا بھی پابند بنا دیا جاتا ہے کہ وہ عورت کو مہر کے ساتھ ساتھ نان ونفقہ سے بھی محروم نہ رکھے اور یہ عورت کا حق بھی ہے۔ ایسا نہیں کہ مرد نان ونفقہ زیادہ ادا کرے بلکہ شریعت نے دو پہلوؤں کو سامنے رکھا کہ اگر مرد امیر ہے تو اس حساب سے وہ نان ونفقہ ادا کرے اور اگر غریب ہے تو پھر حد سے بڑھنا نہیں چاہیے نہ عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ مرد کی مالی استطاعت سے بڑھ کر نان ونفقہ کا مطالبہ کرے۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾[1]

ترجمہ: (مالدار پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی طاقت کے مطابق دینا لازم ہے)[2]

اسلام نے نفقہ کے معاملے میں مثال قائم کی کہ مرد کو اس کی حیثیت کو مدنظر رکھا۔

﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ﴾[3]

ترجمہ: (خوشحال آدمی اپنی قدرت کے مطابق دے﴾[4]

ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ اسلام انسان کے لیے مشکلات نہیں بلکہ آسانیاں چاہتا ہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ مالدار اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق ہی بیوی کو نان ونفقہ دینا لازم ہے۔

یہاں اسلام کی جامعیت اور اس کا اصول بھی واضح کیا گیا ہے کہ شوہر کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر بیوی پر مال خرچ کرے بلکہ جو مال اسے میسر ہے اس میں سے مال خرچ کرے اور نہ ہی عورت

1۔ البقرۃ:236

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/312

3۔ البقرۃ:366

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/181

اس قدر مطالبہ کرے جو مرد ادا کرنے سے قاصر رہ جائے، اللہ کسی بھی جان پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

عطاری صاحب نفقہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

مالدار اور تنگ دست پر ان کی استطاعت کے مطابق جوڑا دینے کا حکم ہے، اگر زوجین میں سے دونوں امیر ہوں تو جوڑا اعلیٰ قسم کا ہو، اگر دونوں تنگدست ہوں تو جوڑا معمولی درجے کا ہو جبکہ دونوں میں سے ایک امیر ہو اور اور ایک غریب تو اس صورت میں جوڑا درمیانے درجے کا ہو[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے زوجین کے لیے کس قدر آسانی کی ہے کہ نفقہ کے لیے زوجین میں سے ہر ایک کی استطاعت کو سامنے رکھا گیا ہے کہ یہ لازمی نہیں کہ نفقہ بہت زیادہ ہو بلکہ جانبین کی مالی حیثیت کی بناء پر ہی نفقہ دیا جائے گا۔

تجزیہ

مذکورہ آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے نفقہ کی کوئی مقدار شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مرد کی مالی حیثیت کو مدِ نظر رکھا جائے گا تاکہ زوجین کی زندگی خوشحال ہو سکے اور مرد کی تنگدستی کی بناء پر تفریق کا معاملہ بھی نہیں ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی فقہی استدلال کیا ہے جو کہ آنے والی سطور میں موجود ہے۔

باحث کی ذاتی رائے مذکورہ بیان سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ وہ زوجین کے تعلق کو مضبوط کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ایک مقدس رشتے کو قائم رکھنے کی تلقین کرتا ہے، رشتے کی مضبوطی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنے میں ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مرد سے جس قدر ممکن ہو وہ عورت کے لیے نفقہ کا اہتمام کرے تاکہ ایک انسانیت کی حیثیت سے احساس قائم رہے۔ آیت کی روشنی میں مرد کو نفقہ کی ادائیگی کے لیے اس قدر مجبور نہیں جائے گا کہ وہ نفقہ ادا ہی نہ کر پائے اس وجہ سے احساس قائم نہیں رہتا۔ اگر تنگ دستی کی بناء پر مرد نفقہ ادا کرنے کے قابل نہیں تو عورت اس مقدس رشتے کی حفاظت کے لیے صبر کا مظاہرہ کرے، صبر کرنے سے انسان اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/312

نان ونفقہ، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

جس طرح نکاح کے لیے مہر کا ادا کرنا از حد ضروری ہے اسی طرح نکاح کے بعد مرد پر اپنی بیوی کے لیے نان نفقہ کے لیے انتظام و انصرام کرنا بھی لازم ہے۔ اسلام کتنا عظیم دین ہے کہ جو نکاح کے بعد نان نفقہ ادا کرنا مرد پر لازم قرار دیتا ہے۔ جس کی حکمت یہ ہے کہ ایک عورت اپنی اور اپنی اولاد کے لیے گزر بسر کر سکے۔ مولانا مودودی اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ :

"مہر کے ادا کرنے کے بعد کے بعد شوہر پر دوسرا فرض نفقہ کو ادا کرنا ہے۔ اسلام نے زوجین کے حدودِ عمل کو واضح تقسیم کر دیا ہے۔ عورت کا کام یہ ہے کہ خانگی زندگی کے فرائض کو انجام دے جبکہ شوہر کا کام یہ ہے کہ رزق کمائے اور ضروریاتِ زندگی کی سہولت فراہم کرے۔ یہ اور بات ہے کہ جس کی بناء پر شوہر کو بیوی پر فضیلت کا ایک درجہ دیا گیا ہے" (1)

نفقہ کے متعلق مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ تحریر کرتے ہیں:

"زوجین کے تعلقات کی بہتری کے لیے آپس میں فیاضانہ سلوک روا رکھنا ضروری ہے۔

اگر ہر شخص صرف اپنے حق پر ہی اڑا رہے تو اجتماعی زندگی کبھی خوشگوار نہیں بن سکتی" (2)

مولانا مودودیؒ کی تفسیر سے مذکورہ آیت سے یہ واضح ہوا کہ اگر زوجین میں ہر کوئی صرف اپنے قانونی حق کی بات کرے، صرف اپنی ذات تک ہی غرض ہو تو اجتماعی زندگی کا خوشگوار ہونا ممکن نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ اجتماعی خوشحالی ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنے میں ہی مضمر ہے۔

اسی طرح نفقہ کے وجوب کے حوالے سے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْامن اَمْوالِهِمْ ﴾ (3)

---

1 ۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:33

2 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 182

3 ۔ النساء:34

ترجمہ:(مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنامال خرچ کرتے ہیں)[1]

اس آیت میں مرد کو اس وجہ سے عورت پر فضیلت دی گئی ہے کیونکہ اپنے مال میں سے شریعت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی بیوی پر مال خرچ کرتا ہے۔

﴿وَ بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَموالِهِمۡ﴾ [2]

ترجمہ:(اور اس بناپر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)[3]

مولانا مودودیؒ تحریر کرتے ہیں کہ اس آیت میں جس طرح مہر کے وجوب کی دلیل ہے اسی طرح نفقہ کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔[4]

یعنی کہ مرد کو مہر کے ساتھ ساتھ نفقہ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ یقیناً یہ شرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے عورتوں کو جائز حقوق کا تحفظ فراہم کیا جس سے عورت کے مقام کا پتہ چلتا ہے کہ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جہاں عورت کو اس کے حقوق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔

نفقہ سے متعلق مولانا مودودیؒ نے آیات کے ذریعے احسن انداز سے بحث کی ہے اور اس کے مسائل و احکام کو بیان کیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوا کہ مرد عورتوں پر نگہبان ہیں تو نگہبانی میں رہتے ہوئے اسلام نے شوہر کو اپنی زوجہ پر مال خرچ کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ یہ عظیم رشتہ مستحکم ہو جائے۔

نفقہ کے احکام سے متعلق فقہاء اربعہ کا مؤقف

نفقہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر نفقہ دینے کی طاقت رکھتا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔۔ اول الذکر صورت میں یہ امر متفق ہے کہ قاضی شوہر کو نفقہ ادا کرنے کے لیے

---

1 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/218

2 ۔ النساء:34

3 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/349

4 ۔ ایضاً

ہر ممکن کوشش سے مجبور کر سکتا ہے[1]

اگر شوہر قاضی کے احکام کی پیروی نہ کرے تو اس حوالے سے فقہاء کے مابین اختلاف ہے:

ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام ملک، امام احمد بن حنبل رحمتہ االلہ علیہم) کے نزدیک ایسی صورت میں زوجین کے مابین تفریق کرادی جائے گی۔ امام شافعیؒ شوہر کو ایسی صورت میں صرف تین دن کی مہلت دیتے ہیں، امام مالک دو مہینے تک مہلت دیتے ہیں جبکہ امام حنبلؒ کہتے ہی کہ ایسی صورت میں بلا تاخیر زوجین کے مابین تفریق کرادی جائے[2]

جبکہ مولانا مودودیؒ امام مالک کی رائے کو احسن سمجھتے ہیں وہ یہ امام مالک شوہر کو نفقہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دو مہینے کی مہلت دینے کے بعد زوجین کے مابین جدائی کا حکم دیتے ہیں۔[3]

ائمہ ثلاثہ مندرجہ ذیل حدیث مبارک سے استدلال کرتے ہیں:

امام بیہقیؒ المتوفی 458ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیرَة قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ لاَ يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَاتُه يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا)) [4]

ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا: جس کے پاس اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے مال نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے)

احناف کے نزدیک شوہر کی معاشی تنگی کی وجہ سے نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں زوجین کے مابین جدائی نہیں کرائی جائے گی کیونکہ اسلام میں رشتۂ نکاح کا یہ مقام ہے کہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے، اس لیے اگر شوہر

---

1 ۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:123

2 ۔ ایضاً

3 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 125

4 ۔ بیہقی، احمد بن حسین، **السنن الکبری** ص:3/ 187

نفقہ دینے سے قاصر ہو تو نکاح ختم نہیں کیا جائے گا [1]

احناف اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَ مَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا﴾[2]

ترجمہ:(جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس میں سے خرچہ دے جو اسے اللہ نے دیا ہے، اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتا مگر اسی قابل جتنا اسے دیا ہے)[3]

اس آیت میں مرد کی مالی حیثیت کے مطابق نفقہ کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا مودودیؒ امام مالک کی رائے کو احسن سمجھتے ہیں وہ یہ کہ امام مالک شوہر کو نفقہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دو مہینے کی مہلت دینے کے بعد زوجین کے مابین جدائی کا حکم دیتے ہیں۔[4]

ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد حنبل) مذکورہ سطور میں بیان کی گئی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ فرمایا گیا کہ جو شخص اپنی بیوی پر مال خرچ کرنے سے قاصر ہو تو ان کے مابین جدائی کرا دی جائے۔

نان و نفقہ کے احکام سے متعلق باحث اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک تو یہ کہ نفقہ کا وجوب واضح ہے جو کہ جانبین میں مشترک پہلو ہے جبکہ دوسرا پہلو یہ کہ نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں کیا حکم ہے؟ اس میں مفسرین و فقہاء کی آراء کو دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ پہلو متفرق ہے اور مفسرین نے اپنے اپنے انداز سے بحث کی اور ان آراء کو سامنے رکھتے ہوئے باحث یہ بات قاری پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ مذکورہ بحث کی روشنی میں قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

1۔ابن عابدین، محمد امین، **ردالمختار**، (بیروت، دارالمعرفہ، 1420ھ)، ص:5/ 306

2۔الطلاق:7

3۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 206-205

4۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:125

فصل دوم

محرمات کا بیان

اسلام نے ایک احسن زندگی گزارنے کے بہترین اصول فراہم کیے ہیں اور ان جاہلانہ طور طریقوں سے منع فرمایا ہے جن کا اسلام سے دور تک تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے نکاح کے معاملے میں بڑی سختی فرمائی ہے جن عوتوں سے نکاح حرام ہے، اس حوالے سے صراط الجنان اور تفہیم القرآن اور دیگر فقہاء کی روشنی میں مدلل بحث کی گئی ہے۔

محرماتِ نکاح، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾(1)

ترجمہ: (اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، اُن سے ہر گز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ در حقیقت یہ ایک بے حیائی کا فعل ہے) (2)

یعنی کہ نکاح سے متعلق دورِ جاہلیت میں جو ہوا سو ہوا اب ایسا کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے عطاری صاحب لکھتے ہیں:

﴿وَلاَ تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم ﴾(3)

---

1 ۔النساء:22

2۔ مودودی، تفہیم القرآن، ص:1 / 336۔335

3 ۔النساء:22

ترجمہ:(اور اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو) [1]

زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد بیٹا باپ کی دوسری بیوی سے شادی کرتا تھا اس آیت میں ایسا کرنے سے روکا گیا ہے۔ اگر یہاں نکاح سے مراد عقدِ نکاح ہے تو پتہ چلا کہ سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے خواہ باپ نے قبل از صحبت اس عورت کو طلاق دے دی ہو اور اگر نکاح سے مراد صحبت ہے تو پتہ چلا کہ جس عورت سے باپ صحبت کرے خواہ نکاح کرے یا زنا کی صورت میں یا کہ لونڈی بنا کر، وہ عورت اس بیٹے پر حرام ہے کیونکہ یہ ماں ہی کی طرح ہے۔ [2]

﴿مَا قَدْ سَلَفَ﴾ [3]

ترجمہ:(جو ہو گزرا) [4]

آیت کے اس حصے میں کہا جا رہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں تم میں سے جنہوں نے اس طرح کے نکاح کر لیے اور اب وہ عورتیں مر بھی چکی ہیں تو تم اس سے بری ہو کیونکہ وہ گناہ قانون بننے سے پہلے تھا۔ اگر مجوسی اسلام لائے اور اس کے نکاح میں اپنی ماں یا بہن ہے تو اسے چھوڑ دینا فرض ہے لیکن زمانہ کفر میں جو نکاح کیے ہوں اور ان سے جو اولاد ہو چکی ہے وہ اولاد بھی حلال ہو گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار پر اس طرح کے شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ [5]

طلاعِ اسلام کے ساتھ ہی ایسا برا فعل ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کے پیشِ نظر محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں:

---

1 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:190/2

2 ۔ ایضاً

3 ۔ النساء:22

4 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:190/2

5۔ ایضاً، ص:191/2۔190

دورِ جاہلیت میں باپ کے انتقال پر لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے جبراً شادی کر لیتا تھا۔ اس آیت کی رو سے جبراً شادی تو ختم ہو گئی لیکن جانبین کی رضامندی سے یہ سلسلہ جاری رہا، اس آیت میں ممانعت کر دی گئی[1]

اس آیت کے پیشِ نظر علامہ سعیدیؒ کے نزدیک جس عورت سے باپ نے جماع کیا ہو تو وہ بیٹے پر حرام ہے خواہ وہ عورت اس کے باپ کی بیوی ہو، لونڈی ہو یا اجنبی ہو جس سے اس نے زنا کیا ہو سب قسم کی عورتیں شامل ہیں اور یہ فقہاء احناف کا مذہب ہے اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی کے نزدیک جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے سبب ماں باپ ایک دوسرے کا حصہ بن جاتے ہیں اسی لئے بچہ دونوں طرف منسوب ہوتا ہے۔ اسی طرح جس عورت کو باپ نے شہوت سے چھو لیا یا دیکھ لیا وہ بیٹے پر حرام ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک حرام نہیں ہے۔[2]

امام ابو حنیفہؒ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں اللہ نے باپ کی منکوحہ سے منع کیا ہے اور نکاح کا حقیقی معنی جماع ہے، ایجاب و قبول نہیں ہے۔[3]

﴿وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ﴾[4]

ترجمہ: (اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں)[5]

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے نکاح کو باطل اور حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرتے تھے اور اسلام نے اس باطل فعل کو حرام قرار دیا۔ اس زمانے میں جو ہوا سو ہو چکا، لیکن اب ایسا کرنا اسلام نے حرام کر دیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں ایسے تصور کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ فقہاء کے مابین

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/333-332

2۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/617

3۔ ایضاً

4۔ النساء:6

5۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/323

سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر باپ نے عورت کو بری نظر سے دیکھا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت بیٹے پر حرام نہیں ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ عورت بیٹے پر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن مجید میں حرمتِ نکاح کے متعلق ایک اور مقام پر آتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (1)

ترجمہ: (تم پر حرام کر دی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ (کے رشتے) سے تمہاری بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں (جو ان بیویوں سے ہوں) جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے ہمبستری نہ کی ہو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے۔ البتہ جو پہلے گزر گیا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (2)

اس آیت میں مختلف رشتوں سے نکاح کی حرمت کا بیان ہے جنہیں آنے والی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب رقم طراز ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ (3)

1۔ النساء:23

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/192۔191

3 ۔ النساء:23

ترجمہ:(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں) [1]

عطاری صاحب آیت کے اس جز کے تحت فرماتے ہیں کہ:

نسب کی وجہ سے سات قسم کی عورتیں حرام ہیں، ماں، اسی طرح وہ عورت جس کی طرف ماں باپ کے ذریعے سے کوئی نسب بنتا ہو یعنی کہ دادیاں و نانیاں خواہ قریبی ہوں یا دور کی سب مائیں شامل ہیں اور وہ ماں ہی کی طرح ہیں۔ اسی طرح بیٹی، پوتی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، اس میں بھانجیاں، بھتیجیاں اور ان کی اولاد بھی شامل ہے۔[2]

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ [3]

ترجمہ:(اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا)[4]

رضاعی رشتے دودھ کے رشتے کو کہتے ہیں۔ رضاعی بھائیوں سے بھی نکاح حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ رضاعی بھتیجے، خالہ، ماموں وغیرہ ان سب سے نکاح حرام ہے۔[5]

رضاعت کی مدت کے حوالے سے عطاری صاحب کے نزدیک مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ دو سال مکمل کرانے کا حکم اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا ناجائز ہوتا ہے اگرچہ اڑھائی سال تک دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ [6]

رضاعی بھائی کے بیٹی کی حرمتِ نکاح کے متعلق یہ حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں:

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/336

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/192-191

3۔ النساء:23

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/191

5۔ ایضاً

6۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/408-407

((عَنْ ابنِ عَبَّاس رَضِىَ الله عَنْهُمَا:قَالَ النَّبِي صَلَّى الله عليهوَسَلَّم فِى بِنتِ حمْزَة: لَا تحل لِى يحرم مِنَ الَّرضَاعِ ما يحرم مِنَ النَّسَبِ هِىَ بِنت آخِىْ مِنَ الرَّضَاعَ)) [1]

ترجمہ:(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے متعلق فرمایا: یہ میرے لئے حلال نہیں ہو سکتیں جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں، وہی رجاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نسب کے علاوہ رضاعت سے بھی حرمتِ نکاح ہوتی ہے۔

اسی طرح مصاہرت [2] کی وجہ سے بھی کچھ عورتیں حرام ہیں، جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری لکھتے ہیں:

﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ [3]

ترجمہ: (اور تمہاری بیویاں کی مائیں) [4]

چار قسم کی عورتیں مصاہرت کی وجہ سے حرام ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

وہ بیوی جس سے صحبت کی گئی ہو، اس کی لڑکیاں، بیوی کی ماں، دادیاں، نانیاں وغیرہ، اسی طرح باپ دادا وغیرہ

اصول کی بیویوں، بیٹے، پوتے وغیرہ فروع کی بیویاں وغیرہ۔ [5]

سوتیلی بیٹیوں کی حرمت نکاح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

1۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کِتَابُ الشهادات على الانساب،ح: 2645

2 ۔ سسرالی رشتوں کو مصاہرت کہتے ہیں اور ان سے نکاح حرام ہے۔ جیسے سسر، ساس، اور کے اصول یعنی کہ پدری اور مادری سلسلہ، بیوی کی بیٹی اور شوہر کا بیٹا وغیرہ۔

3 ۔ النساء:23

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/192

5۔ ایضاً

﴿وَرَبَائِبُكُمُ﴾ (1)

ترجمہ:(اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں) (2)

جن بیویوں سے صحبت کرلی ہو ان کی دوسرے شوہر سے جو بیٹی ہو، نکاح حرام ہے، شوہر کی اولاد کے حلال اور شوہر کے لئے حرام ہے جبکہ صحبت کرلی ہو۔ (3)

مزید لکھتے ہیں:

﴿ وَحَلائِلُ أَبْنَائِكُمُ﴾ (4)

ترجمہ:(اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں) (5)

اس سے معلوم ہوا کہ منہ بولے بیٹوں کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ وہ رضاعی بیٹے کی بیوی پر حرام ہے کیونکہ وہ نسبی بیٹے کے حکم میں ہے اور پوتے پر پوتے بھی بیٹوں میں شامل ہیں۔ (6)

شریعتِ اسلامیہ میں بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں لانے کو حرام قرار دیا ہے۔جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری اس کے متعلق لکھتے ہیں:

﴿وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ الأُخْتَيْنِ﴾ (7)

ترجمہ:(اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا) (8)

---

1 ۔النساء:23

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/192

3۔ایضاً

4 ۔النساء:23

5 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:338

6۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/192

7 ۔النساء:23

8 ۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/339

یعنی کہ ایک بہن نکاح میں موجود ہو اور دوسری نکاح میں لانا، یہ کام حرام ہے۔[1]

اسی طرح بُری نظر سے بیوی کو چھُونے سے اس مرد پر بیوی کی ماں اور بیٹی حرام ہے۔

اس حوالے سے مولانا ظفر احمد عثمانی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ مُجَاهِدٍ اِذَا قَبَّلَها اَوْ لَامَسَّها اَوْنَظَرَ اِلٰی فَرْجِها مِنْ شَهوَة حَرُمَتْ عَلَیْه اُمُّها وَ بِنْتُها))[2]

ترجمہ:(حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص شہوت کے ساتھ اپنی بیوی سے ملے ، یا اسے چھوئے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھے تو اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہیں۔)

محمد کرم شاہؒ کے نزدیک اس آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے، یہ حرمت تین طرح کی ہے: حرمتِ نسب، حرمتِ رضاعت اور حرمتِ مصاہرت۔[3]

نسب میں سات قسم کی عورتیں شامل ہیں، حرمت رضاعت سے رضائی رشتے شامل ہیں جیسے بھائی بہن کی اولاد وغیرہ اسی طرح مصاہرت میں چار قسم کی عورتیں شامل ہیں، جیسا کہ بیوی کی ماں (ساس) سوتیلی بیٹیاں، حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دونوں بہنوں کو اکٹھا کرنا وغیرہ۔

محمد کرم شاہؒ مزید لکھتے ہیں: حرمتِ نسب میں سات طرح کی عورتیں شامل ہیں: جس میں ماں (اس میں دادی، نانی اور اس سے اوپر سب رشتے شامل ہیں) اس طرح بیٹی (اس میں پوتی، نواسی اور اس سے نیچے سب تک شامل ہیں) اسی طرح بہن (سگی اور سوتیلی)، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔۔ساتوں رشتے جو نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں[4]

1۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/193

2۔عثمانی، ظفر احمد، **اعلاء السنن**، (کراتشی:ادارۃ القرآن،والعلوم الاسلامیہ)، کِتَابُ النِّکَاحِ،بابٌ من زنی بِإمرأۃٍ حُرِ مَت عَلیھَا أمھَا وَ بنتھَا ،ص:11/35

3۔الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/332

4۔ایضاً

علامہ سعیدیؒ کے نزدیک محرماتِ نکاح میں تین قسمیں ہیں پہلی قسم نسب کی وجہ سے حرمتِ نکاح کی ہے دوسری رضاعت کی وجہ سے حرمتِ نکاح کی ہے جبکہ تیسری قسم نکاح کے رشتۂ مصاہرت سے حرمتِ نکاح کی ہے۔اول الذکر میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں ان سے نکاح و صحبت کرنا حرام ہے۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی، پرنانی، اور ان سے اوپر کی دادیاں و نانیاں شامل ہیں۔ بہنوں میں عینی، [1] علاتی، [2] اور اخیافی [3] شامل ہیں جبکہ بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجہ کی بھی داخل ہیں اور پھوپھیوں میں اس کے باپ کی سگی بہن، علاتی بہن، اور اخیافی بہن داخل ہیں۔اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ماں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں داخل ہیں اور ان کے اوپر کی درجہ کی بھی۔[4]

دوسری قسم رضاعت کی وجہ سے حرمتِ نکاح کی ہے۔ رضاعت کی مقدار کے حوالے سے غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: رضاعت کے زمانے میں دودھ زیادہ پیا ہو یا کم بہر حال رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور قلیل کا معیار یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں پہنچ جائے۔ حرمتِ رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے۔ دودہ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول و فروع حرام ہیں۔خواہ وہ اصول و فروع [5] ہوں، یہاں تک کہ دودھ پلانے والے کا اس شوہر سے یا کسی اور سے بچہ پیدا ہو اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے تو یہ سب اس دودھ پلانے والے کے بہن بھائی ہیں ور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے اور دودہ پلانے والی عورت کے شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا اور دادی کا حکم ہے اور رضاع میں حرمتِ مصاہرت بھی ثابت ہو گی۔ حتیٰ کہ دودھ پلانے والی کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والی پر حرام ہو گیا ور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہو گی۔[6]

---

1 ۔سگے بہن بھائی کو کہتے ہیں۔

2 ۔باپ شریک بہن بھائی کو کہتے ہیں، جن کا باپ ایک اور مائیں جدا جدا ہوں۔

3 ۔ماں شریک بہن بھائی کو کہتے ہیں، جن کی ماں ایک اور باپ جدا جدا ہوں۔

4۔سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:621/2

5۔اصول سے مراد شوہر کے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اسے اوپر درجہ کے اجداد ہیں جبکہ فروع سے مراد شوہر کی اولاد، پوتے / پوتیاں، نواسے / نواسیاں وغیرہ شامل ہیں۔

6۔سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:622/2

تیسری قسم رشتہ نکاح کے سبب محرمات کی ہے۔ نکاح کے سبب محرمات کی چار قسمیں ہیں:" بیویوں کی مائیں اور ان کی دادیاں چاہے اس سے اوپر درجہ کی ہوں، اسی طرح بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد، اسی طرح بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی، نواسے کی بیوی چاہے اس سے نیچے درجہ کی ہوں، اسی طرح باپ اور داد کی عورتیں خواہ علاتی ہوں یا یا اخیافی یہ سب عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔[1]

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے سات قسم کی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں جیسا کہ مذکورہ آیت سے ظاہر ہے اور نکاح کے رشتہ (مصاہرت) سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں اور کچھ عورتیں رضاعت کے سبب حرام ہیں۔ الغرض محرمات نکاح میں تین قسمیں ہیں، پہلی نسب کے سبب محرماتِ نکاح، دوسری مصاہرت کے سبب محرماتِ نکاح جبکہ تیسری قسم رضاعت کے سبب محرماتِ نکاح۔

محرماتِ نکاح، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

عورتوں میں سے بعض ایسی ہیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں جیسے ساس اور بعض وہ ہیں جن کے ساتھ نکاح اس وقت حرام ہے جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے۔ اسی طرح بیٹوں کی بیویاں بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں، یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا بھی ہے۔ بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجیاں اور بھانجیاں بھی اسی حکم میں ہیں۔ یہ قید اہلِ عرب کی ایک غلط رسم کو مٹانے کے لئے بنائی گئ ہے کہ وہ جن کو متبنیٰ بنایا کرتے تھے، بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد بھی ان سے نکاح کرنا حرام خیال کرتے تھے۔[2]

مولانا مودودیؒ محرماتِ نکاح کے حوالے سے قرآن مجید کی سورہ النساء کی آیت 23 کے تحت لکھتے ہیں:

ماں کا اطلاق سگی اور سوتیلی پر ہوتا ہے اس لیے دونوں حرام کے حکم میں شامل ہیں نیز اسی حکم میں باپ کی ماں اور ماں کی ماں بھی ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے نکاح میں ایسی عورت کا ہونا جس پر اس کا باپ یا اس کا بیٹا نظر رکھتا ہو یا جس کی ماں یا بیٹی پر بھی اس کی نظر ہو تو ایک صالح معاشرت کے لیے غیر مناسب ہے۔ واضح بات یہ ہے کہ

1۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/622

2۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/33-332

خاندانی زندگی میں ایک ہی عورت کے ساتھ باپ اور بیٹے کے یا ایک ہی مرد کے ساتھ ماں اور بیٹی کے شہوانی جذبات کا وابستہ ہونا سخت مفاسد کی وجہ بنتا ہے اور شریعتِ مطہر اسے برداشت نہیں کر سکتی۔[1]

بیٹی کے حکم میں پوتی اور نواسی بھی داخل ہیں۔ اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں جو لڑکی ہوئی ہو وہ بھی حرام کے حکم میں ہے یا نہیں؟۔ امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک وہ بھی جائز بیٹی کی طرح محرمات میں شامل ہے جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ کے نزدیک وہ لڑکی محرمات میں شامل نہیں ہے۔[2]

مولانا مودودی ؒ رضاعت کی مدت کے حوالے سے لکھتے ہیں: جو چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پوری مدتِ رضاعت تک دودھ پئیں تو وہ اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں[3]

یعنی کہ حرمت رضاعت کے متعلق بیان کیا جارہا ہے کہ رضاعت کے لیے دو سال کا زمانہ ہے۔ ان اقوال کی روشنی میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: درحقیقت یہ خیال بھی حیرت پیدا کرتا ہے کہ جس لڑکی کے متعلق آدمی یہ جانتا ہو کہ وہ اسی کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہو"[4]

مولانا مودودیؒ کی مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں سوتیلی بیٹی سے نکاح کرنے کو گناہ اور عار خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی ان گھٹیا طریقوں اور بُرے فعل سے منع کیا گیا ہے۔ اب اسلامی رسوم کو ہی ترجیح دی گئی ہے۔

اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

ان سب رشتوں میں سگے اور سوتیلے میں برابر ہیں۔ باپ کی بہن خواہ سگی ہو یا سوتیلی ہو وہ بیٹے پر حرام ہے۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 337-336

2۔ ایضاً۔ ص:337

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن** ص:1/178

4۔ ایضاً، ص:1/ 337-336

اسی طرح بھائی اور بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے ان کی بیٹیاں ایک شخص کے لیے حرام ہیں "[1]

مولانا جانبازؒ کے نزدیک مصاہرت سے ساس کا رشتہ بھی حرام رشتوں میں داخل ہے۔ اسلام میں یہ رشتہ اس کی بیٹی کے ساتھ محض عقد ہو جانے کی بناء پر حرام ہو جاتا ہے خواہ اس بیٹی سے زن و شو کا تعلق قائم نہ ہوا ہو کیونکہ ساس ماں کی طرح ہی ہوتی ہے۔ [2]

علامہ ابنِ رشدؒ نسب کے حوالے سے فقہاء کی آراء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نسب کی وجہ سے سات قسم کی عورتیں حرام ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے بیٹیاں، بہنیں پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ ماں سے یہاں مراد ماں یا باپ کی طرف سے ولادت کا رشتہ ہو (لہٰذا دادی اور نانی بھی ماں کے درجہ میں ہیں۔ اسی طرح بیٹی سے مراد ہے جس کا باپ کے ساتھ بلاواسطہ یا بیٹے یا بیٹی سے ولادت کا رشتہ ہے۔ لہٰذا پوتی اور نواسی بھی اسی حکم میں شامل ہیں" [3]

حرمت کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں: "اس طرح جس عورت کے ساتھ مرد کا رشتہ ازدواج قائم ہو چکا ہو اس کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) [4]

غرض یہ ساتھ قسم کی عورتیں حرام ہیں جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مولانا عبد الرشید تونسوی اس قسم کی عورتوں کے حرام ہونے کا کسی قسم کا اختلاف نہیں کرتے اور وہ بطور دلیل یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/178

2۔ جانباز، **احکامِ نکاح**، ص:127

3۔ تونسوی، ابنِ رشد، **کتاب النکاح والطلاق**، (دار الکتب العلمیہ بیروت، 1424ھ)، کتاب النکاح والطلاق، ص:66

4۔ تونسوی، **کتاب النکاح والطلاق**، ص:66

اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ لۡاُخۡتَیۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴾ (1)

ترجمہ:(تم پر حرام کر دی گئیں تمہاری مائیں ، بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ (کے رشتے) سے تمہاری بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں (جو ان بیویوں سے ہوں) جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے ہمبستری نہ کی ہو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے۔ البتہ جو پہلے گزر گیا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (2)

اس حوالے سے علامہ ابنِ رشد باپ کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت کے متعلق یہ دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿وَلاَ تَنکِحُوامَا نَکَحَ آبَاؤُکُم مِّنَ النِّسَاء﴾(3)

ترجمہ:(اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں اُن سے ہر گز نکاح نہ کرو)(4)

اسی طرح بیٹوں کی بیویوں نکاح حرام ہے، اس حوالے سے کے دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ ﴾ (5)

ترجمہ:(اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے)(6)

اسی طرح بیویوں کی مائیں (ساس) بھی حرام ہیں اس کی دلیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔:

1۔النساء:23

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:۲/ ۱۹۲۔۱۹۱

3۔النساء:22

4۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 335

5۔النساء:23

6۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/ 191

﴿وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُم﴾ [1]

ترجمہ: (اور تمہاری بیویوں کی مائیں) [2]

اسی طرح بیویوں کی بیٹیاں بھی حرام ہیں جس کی دلیل درج ذیل ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُم﴾ [3]

ترجمہ:(اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں) [4]

غرض یہ کہ علامہ ابن رشد کے نزدیک مذکورہ عورتیں ایسی ہیں جن کی حرمت پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

حرمت رضاعت میں عمر کی حد سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اور فقہاء کی آراء

رضاعت کی مدت کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ذیل میں ان کی آراء کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیاہے۔ حضرات عمر، ابن مسعود، ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے نزدیک دو سال کی عمر کے اندر بچے نے جو دودھ پیا صرف اسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی اور فقہاء میں سے امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف، امام محمد اور امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہم بھی اس حکم کے حمایت کرتے ہیں [5]

یہ حضرات اپنے مؤقف کا استدلال قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے کرتے ہیں:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [6]

1۔النساء:22

2۔مودودی، تفہیم القرآن، ص:1/337

3۔النساء:23

4۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/191

5۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/338

6۔البقرۃ:233

ترجمہ:(اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں)[1]

اس حوالے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے:

"لَا رَضَاعَةَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ" [2]

ترجمہ:(رضاعت وہ جو دو سال کے اندر ہو)

2۔امام ابو حنیفہ اور امام زُفر رحمتہ اللہ علیہما کے مشہور قول کے مطابق زمانہ رضاعت اڑھائی سال ہے اور اس کے اندر دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، خواہ کسی عمر میں دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جائے۔[3]

احناف اپنے مؤقف کی درج بالا آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [4]

ترجمہ:(اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے)[5]

اس سلسلے میں علامہ الکاسانیؒ لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو حَنِيْفَة ثَلَاثُونَ شَهْراً و لايحرم بعد ذٰلک سوء فطم او لَمْ يفطم وَ قَالَ أَبُويُوسُف ومُحَمَّد حولان لايحرم بعد ذٰلک فطم او لم يفطم وَ هُوَ قولُ الشَّافِعِی" [6]

ترجمہ:((امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مدتِ رضاعت تیس مہینے ہے، اس کے بعد حرمت ثابت نہیں ہو گی چاہے بچے کا دودھ چھڑایا گیا ہو یا کہ نہ چھڑایا گیا ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک رضاعت کی

1۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/307

2۔مالک بن انس،، **الموطأ امام مالک**، (داراحیاء التراث العربی، س، ن)، ح:1267

3۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/338

4۔الاحقاف:15

5۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:9/259

6۔الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد، **بدائع الصنائع**، (داراحیاء التراث العربی بیروت، 1421ھ) ص:4/6

مدت مدت دو سال تک ہے، اس کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی چاہے دودھ چھڑایا گیا ہو یا نہ چھڑایا گیا ہو۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے))

3۔ امام مالکؒ حرمتِ رضاعت کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما کے قول کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنھما کا قول ہے:

"أَلرِّضَاعَةَ إِلَّامَاكَانَ فِى الْحَولين "[1]

ترجمہ: ((رضاعت وہ جو دو سال کے اندر ہو))

امام مالکؒ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اگر دو سال سے مہینہ دو مہینہ زائد بھی ہو جائیں تو اس میں دودھ پینے کا وہی حکم ہے۔ [2]

مولانا جانبازؒ رضاعت کی بناء پر حرام رشتے کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں: جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اسلام سے پہلے ایسے نکاح پر کوئی پابندی نہیں تھی لیکن اسلام نے اسے باطل ٹھہرادیا۔ دودھ پلانے کی وجہ سے عورت ماں کے حکم میں ہو گئی۔ دودھ نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے بننے میں حصہ لیا اور رضاعت نے ماں اور بیٹے کے مابین جذباتی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ اسی طرح رضاعی بہنیں، جس طرح عورت بچہ کی رضاعی ماں بن گئ اسی طرح اس کی لڑکیاں بچہ کی رضاعی بہنیں بن گئیں "[3]

تجزیہ

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ دو سے اڑھائی سال کے دوران کسی عورت کا دودھ بچے کے پیٹ میں داخل ہونے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ جن میں عطاری صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ ان میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک احتیاطاً اڑھائی سال ہے۔

مزید محرمات کے حولے سے قرآن مجیدی میں آتا ہے:

1۔ مالک ابن انس، **الموطأ امام مالک**، کتاب الرضاع ح:1267 ص:2/607

2۔ ایضاً

3۔ جانباز، **احکام نکاح**، ص:126

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّامَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَمُسٰفِحِیْنَ فَمَااسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ (1)

ترجمہ:(اور شوہر والی عورتیں تم پر حرام ہیں سوائے کافروں کی عورتوں کے جو تمہاری ملک میں آجائیں، یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا ہے اور ان عورتوں کے علاوہ سب تمہیں حلال ہیں کہ تم مالوں کے ذریعے نکاح کرنے کو تلاش کرو نہ کہ زنا کے لیے تو ان میں سے جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو ان کے مقررہ مہر کے بعد اگر تم آپس میں (کسی مقدار پر) راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے) (2)

عطاری صاحب اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاء﴾ (3)

ترجمہ:(اور شوہر والی عورتیں) (4)

یہاں شوہر والی عورتوں کا بیان ہے کہ جن سے نکاح حرام ہے۔ جبکہ حلال ہونے کی صورت بھی بتا دی گئی ہے اور اسلام کی واضح تعلیمات بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر ہو وہ دوسرے مرد پر اس وقت تک حرام ہے جب تک پہلے کے نکاح میں ہو یا اس کی عدت میں ہو البتہ کافروں کی وہ عورتیں جن کے مسلمان مالک بن جائیں وہ ان کے لیے حلال ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں کفار کی عورتیں گرفتار ہوں اور ان کے شوہر دارالحرب میں ہوں تو بادشاہ اسلام یا لشکر کا مجاز امیر ان عورتوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دے اور جو قیدی عورت جس مجاہد کے حصے میں آئے وہ اس کے لیے حلال ہے کہ مِلک مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا

1۔ النساء:24

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/194

3۔ النساء:24

4 ۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/194

سابقہ نکاح بھی ختم ہو گیا وہ عورت اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد ورنہ ایک ماہواری آجانے کے بعد اس کے قریب جاسکتا ہے۔ [1]

اس حوالے سے محمد کرم شاہ ؒ لکھتے ہیں:

جو عورتیں میدانِ جنگ میں قید ہو جائیں اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو ان کا سابقہ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور حکومتِ اسلامیہ اس عورت کو جس سپاہی کے حصہ میں دے وہ اس کے قریب بھی جاسکتا ہے۔ جنگ کے میدان میں جنگی قیدیوں کا معاملہ ہمیشہ سے ہی حکومتوں کے لیے ذمہ داری کی وجہ بنتا رہا۔ اسلام کا بھی یہ منشاء ہے کہ اس نے اپنی فطری آزادی سے اس کا حکیمانہ حل پیش کیا جنگ میں اگر دشمن قوم کے شوہر وبیوی قید ہو جائیں تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو انہیں آزاد کرے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرے" [2]

خلاصۂ کلام

مذکورہ آیت میں دو قسم کی عورتوں کا بیان موجود ہے ایک یہ کہ وہ عورت جو پہلے سے ہی کسی کے نکاح میں ہے یا عدت میں ہے تو اس صورت میں اس عورت سے نکاح نہیں کیا جاسکتا البتہ جو عورتیں میدان جنگ میں گرفتاری کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں وہ ان کے لئے حلال ہیں کیونکہ دارالحرب سے دارالاسلام میں آنے کی وجہ سے ان عورتوں کے سابقہ نکاح جائیں گے۔

مذکورہ مسائل کا بیان، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

مولانا مودودیؒ سورۃ النساء کی آیت 24 کے پیشِ نظر تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی کہ جاہلیت کے زمانے میں تم لوگ جو ظلم وستم کر رہے تھے ہو کہ دو دو بہنوں سے ایک ہی وقت میں نکاح کر لیتے تھے اس پر پکڑ نہیں کی جائے گی۔ بشرط یہ کہ اب اس سے باز رہو۔ اس بناء پر یہ حکم ہے کہ جس شخص نے کفر کی حالت میں دونوں بہنوں

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/194

2۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/334

کو جمع کر رکھا ہو یعنی کہ نکاح کیا ہو اسے اسلام لانے کے بعد اب ایک کو ہی رکھنا ہو گا جبکہ دوسری کو ترک کرنا ہو گا۔[1]

اسی طرح جو عورتیں جنگ میں پکڑی جائیں اور ان کے کافر شوہر دارالحرب میں موجود ہو تو ان کی عورتیں حرام نہیں ہیں کیونکہ دارالحرب سے دارالاسلام میں آنے کے بعد ان کے نکاح ٹوٹ گئے، ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی کیا جاسکتا ہے اور وہ عورتیں جس کی ملکِ یمین میں ہوں وہ ان عورتوں سے تمتع بھی کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر وہ عورتیں کسی کی ملکِ میں دی جائیں اس کے ساتھ اس وقت تک مباشرت کرنا حرام ہے جب تک اسے ایک مرتبہ ایام ماہواری نہ آجائیں اور یہ اطمینان نہ ہولے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اس سے پہلے مباشرت کرنا حرام ہے اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے بھی مباشرت ناجائز ہے۔[2]

﴿اَلْمُحْصَنٰتُ﴾ [3]

ترجمہ: (اور شوہر والی) [4]

اس حوالے سے علامہ سعیدیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد قیدی خاوندوں کی عورتیں ہیں یعنی وہ حرام ہیں مگر دارالحرب سے قیدی بن کر آنے کی وجہ سے تمہاری مملوکہ بن جائیں تو حلال ہیں اور یہ عورت اس کے لیے حلال ہو گی جس کے حصہ میں یہ آئے گی اگرچہ اس کا خاوند بھی ہو گا [5]

تجزیہ

دورِ جاہلیت میں جو ظالمانہ رواج تھے کہ ایک ہی وقت میں دو بہنوں سے نکاح کیا جاتا تھا اس پر گرفت نہیں البتہ اسلام کے آغاز سے یہ رواج شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے اس لئے اسلام نے اس جاہلانہ رواج کا خاتمہ کر دیا

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/339

2۔ ایضاً

3 ۔ النساء:24

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/194

5۔ قرطبی، محمد بن ابو بکر، **تفسیرِ قرطبی**، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز)، ص:3/ 135

اب اگر اسلام کے دور میں کوئی یہ عمل کرتا ہے تو اس پر اللہ کی طرف سے سخت گرفت ہو گی۔ جبکہ کافروں کی وہ عورتیں جو میدان جنگ میں گرفتا ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں وہ مسلمان مردوں کے لئے حلال ہیں۔ اور باحث مولانا مودودی کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے کیونکہ عقلاً بھی یہ بات واضح ہے کہ لاعلمی میں کچھ غلط کر جانا جس کے بارے میں انسان کو علم نہیں اس پر گرفت بھی نہیں اور جو احکامات مسلمان عورتوں کے نکاح کے متعلق ہیں وہ کافر عورتوں کے نہیں ہیں۔

محرماتِ نکاح سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

مذکورہ جو بھی بحث گزری ان میں محرماتِ نکاح کے کئی مسائل واحکام کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو بالترتیب بیان کیا جارہا ہے۔

1۔ باپ کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت:

اسلام نے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی ممانعت بیان کی ہے۔باپ کی منکوحہ سے یہاں مراد سوتیلی ماں سے نکاح ہے جسے دورِ جاہلیت میں لوگ معیوب اور گناہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن اسلام نے اس بیہودہ فعل و حرکت کو ناجائز قرار دیا اور محمد قاسم عطاری، مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرین نے ایسے نکاح کی ممانعت کے لئے قرآن مجید کی اس آیت سے بطور دلیل سہارا لیا۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (1)

ترجمہ:(اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں اُن سے ہر گز نکاح نہ کرنا) (2)

1۔النساء:22

2۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/335

یہاں باپ کی منکوحہ سے نکاح کی ممانعت کا ذکر ہے۔ اس حوالے سے محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ مشترک پہلو ہے۔

2۔ نسب کی وجہ سے حرمتِ نکاح:

نسب کی وجہ سے سات قسم کی عورتیں حرام ہیں کہ جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودی اور دیگر علماء قرآن مجید کی اس آیت سے استدلا کرتے ہیں:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَ بَنٰتُكُمۡ وَ اَخَوٰتُكُمۡ وَ عَمّٰتُكُمۡ وَ خٰلٰتُكُمۡ وَ بَنٰتُ الۡاَخِ وَ بَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ (1)

ترجمہ: (تم پر حرام کر دی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں ہیں پرورش پائی ہے۔ ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلقِ زن و شوہو چکا۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلقِ زن و شوہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر اُن کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صُلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے) (2)

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک یہ پہلو بھی مشترک ہے جن کی تائید دیگر علماء کی آراء سے ہوتی ہے لیکن اس آیت میں رضاعت کی مدت میں اختلاف ہے مولانا مودودی اور جمہور علماء کے نزدیک رضاعت کی مدت دو سال ہے جبکہ عطاری صاحب کے نزدیک رضاعت کی مدت اڑھائی سال ہے جن کی تائید امام ابو حنیفہ اور امام

1۔ النساء:23

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 339۔336

زُفر رحمہما اللہ کی رائے سے ہوتی ہے کہ مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے اور امام ابو حنیفہ نے یہ مدت احتیاطاً ذکر کی ہے، احناف رضاعت کی مدت کے حوالے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَحَمْلُهٗ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [1]

ترجمہ:(اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے)[2]

اس آیت کی رو سے بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہے۔

3۔ مصاہرت کی وجہ سے حرمتِ نکاح:

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک مصاہرت کی وجہ سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ محمد کرم شاہ لکھتے ہیں :

بعض عورتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ سے حرام ہیں جیسا کہ بیوی کی ماں (ساس) سوتیلی بیٹیاں، حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دونوں بہنوں کو اکٹھا کرنا۔ جیسا کہ ان کو مذکورہ بحث میں تفصلاً ذکر کیا گیا ہے۔ الغرض مذکورہ عورتیں ایسی ہیں کہ جن کی حرمتِ نکاح پر فقہاء کا اجماع ہے [3]

4۔ المُحصَنَاتُ کا بیان:

یعنی کہ وہ عورت جس کا شوہر ہو وہ دوسرے مرد پر اس وقت تک حرام ہے جب تک پہلے خاوند کے نکاح میں ہے یا عدت میں ہے اور غیر مسلم کی وہ عورتیں جو حالتِ جنگ میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں وہ حلال ہیں، اس پہلو میں مفسرین کے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔

جیسا کہ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

---

1 ۔ الاحقاف:15

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:9/259

3 ۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/332

کہ عورتیں جو دارالحرب سے قیدی بن کر مسلمانوں کی مملوکہ بن جائیں وہ حلال ہیں [1]

اس سے اسلام کی خوبصورتی عیاں ہوتی ہے کہ اسلام نے کس انداز سے قیدیوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کی تلقین کی۔باقی مذاہب میں یہ اصول دیکھائی نہیں دیتے اگر موجود بھی ہوں تو غیر واضح ہیں۔دیگر مذاہب میں تعلیمات تحریف سے پُر ہیں۔یہ اسلام کا ہی طرۂ امتیاز ہے کہ طلوعِ اسلام سے لے کر تا حال اس کی تعلیمات اور اصول حقیقت اور حکمت سے بھرپور ہیں جن کی اتباع کرتے ہوئے احسن زندگی گزارنے کا راز مضمر ہے۔اسلام جس طرح دیگر مسائل پر بحث کرتا ہے اور جس انداز سے ان کے حل کے لئے اصول فراہم کرتا ہے اسی طرح عائلی مسائل پر بھی بحث کرتا ہے اور ان کے حل کے لئے بہترین اصول فراہم کرتا ہے۔

جنگی قیدیوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے عطاری صاحب لکھتے ہیں کہ قیدیوں سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا، انہیں حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا نیز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔اسلام نے جنگی قیدیوں کے معاملے میں ایسا حل پیش کیا کہ جس کا دیگر مذاہب میں تصور تک نہیں ملتا۔

1۔ قرطبی، **تفسیر قرطبی**، ص:3/135

فصل سوم

کتابیہ اور لونڈی سے نکاح

اہل کتاب اور لونڈی سے متعلق قرآن مجید میں واضح طور پر آتا ہے اور ان کی حکمتیں بھی بیان کر دی گئ ہیں۔ان میں سے سب سے پہلے اہل کتاب سے نکاح کے حوالے سے تفصیلاً بحث کی جارہی ہے۔ قرآن مید میں اہلِ کتاب سے نکاح کے متعلق آتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُم حِلٌّ لَّهُم وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (1)

ترجمہ:(آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے او پاکدامن عورتیں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئ ان کی پاکدامن عورتیں (تمہارے لیے حلال کر دی گئیں) جبکہ تم ان سے نکاح کرتے ہوئے انہیں ان کے مہر دو، نازنا کرتے ہوئے اور نہ پوشیدہ آشنا بناتے ہوئے اور جو اور جو ایمان سے پھر کر کافر ہو جائے جائے تو اس کا ہر عمل برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہو گا)(2)

کتابیہ عورت سے نکاح، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

عطاری صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اہلِ کتاب سے نکاح کے اہم مسائل واحکام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل کتاب سے نکاح کرنا حلال ہے لیکن اس پر کہ اس بات کا یقین راسخ ہو جائے کہ وہ واقعی

---

1 ۔المائدہ:5

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/433

اہلِ کتاب میں سے ہوں، دہریہ نہ ہوں جیسا کہ آج کل بہت سے ایسے بھی ہیں۔ یہ اجازت دارالاسلام میں رہنے والی ذمیہ (کتابیہ) کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ عصرِ حاضر میں جو حربی پائے جاتے ہیں ان کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے دوسری بات یہ کہ یہ اجازت صرف مسلمان مردوں کو ہے جبکہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے قطعاً حرام ہے۔ عطاری صاحب کے نزدیک اہلِ کتاب میں سے اچھے کردار والی عورت سے نکاحب کرنا مستحب ہے اور نکاح ہی کے ذریعے اہلِ کتاب عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کیے جائیں اور پوشیدہ دوستیاں نہ لگائی جائیں، پوشیدہ دوستیاں لگانا اور اعلانیہ بدکاری کرنا ان کے ساتھ بھی حرام ہے۔ مذکورہ آیت میں (غَیر مُسافِحِین) نہ کہ مستی نکالتے ہوئے، اس جز سے مفتی محمد قاسم عطاری کے نزدیک ناجائز طریقہ پر مستی نکالنے سے بے دھڑک زنا کرنا اور آشیا بنانے سے پوشیدہ زنا مراد ہے۔[1]

کتابیہ سے نکاح سے متعلق محمد علی جانباز لکھتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح اہلِ کتاب ہونے کی بناءپر قرآن مجید نے جائز ٹھہرایا ہے اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہرحال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔[2]

اس حوالے سے محمد علی جانباز قرآن مجید سے دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾[3]

ترجمہ: (اور محفوظ عورتوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئ تھی)[4]

مذکورہ بحث میں کتابیہ عورت سے نکاح کے متعلق ذکر ہوا ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اہلِ کتاب میں سے وہ جو خالص توحید کے قائل ہوں دہریہ نہ ہوں اسلام ان سے نکاح کرنے کو جائز قرار دیتا ہے اور یہ اختیار مسلمان مرد کو ہے کہ وہ کتابیہ عورت سے نکاح کرے جبکہ مسلمان عورتیں اہل کتاب مردوں سے نکاح نہیں کر

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/334۔333

2۔ جانباز، **احکام نکاح**، ص:131

3۔ المائدۃ:5

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/447

سکتیں۔ کتابیہ عورت سے نکاح کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے وہ مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو کر اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے۔

کتابی عورتوں سے نکاح پر صحابہ کا تعامل

علامہ رازی جصاصؒ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے حوالے سے لکھتے ہیں ان سے نکاح پر صحابہ کرام متفق رہے ۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک یہودی سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اس عورت کو چھوڑ دیں تو حضرت حذیفہ رضہ اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ مجھے مطلع کیا جائے کہ یہ عورت میرے لئے حرام ہے ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں لیکن مجھے اس چیز کا خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ اس طرح بدکار یہودی عورتوں سے ازدواجی تعلقات قائم کر لو۔[1]

مزید لکھتے ہیں: اسی طرح تابعین میں سے حسن بصری، ابراہیم نخعی اور شعبی شامل ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے کتابیہ عورت سے نکاح کی تحریم کا فتویٰ دیا ہو[2]

تجزیہ

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے شرط یہ کہ وہ واقعی اہلِ کتاب میں سے ہوں کسی نبی کے ماننے کے قائل ہوں اور کتابِ الٰہیہ میں سے کسی کتاب کو بھی ماننے کے قائل ہوں دوسری صورت یہ ہے کہ جو شروع میں اہلِ کتاب نہیں تھے لیکن بعد میں نصرانیت اور یہودیت اختیار کر لی ہو وہ بھی جمہور فقہاء کے نزدیک اہلِ کتاب ہی شمار ہو گا اور اہلِ کتاب ہونے کی یہی نشانیاں ہیں۔

اہلِ کتاب سے نکاح سے متعلق مولانا مودودیؒ اہلِ کتاب سے نکاح سے یہ آیت پیش کرتے ہیں:

1۔ جصاص، **احکام القرآن**، ص:2/ 34

2۔ ایضاً

﴿اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَ اِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِیۡنَ﴾ (1)

ترجمہ: (اس لیے اترا) تاکہ تم یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی) (2)

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اہلِ کتاب سے متعلق نکاح کے مسائل واحکام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ نکاح کی اجازت صرف انہی عورتوں سے دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ شرط لگادی گئی کہ وہ محصنات (محفوظ عورتیں) ہوں۔ (3)

مولانا مودودیؒ کی یہ رائے کہ ااہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، باحث یہ سمجھا کہ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اہل کتاب وہی ہیں جو شروع سے ہیں جنہوں نے بعد میں نصرانیت اور یہودیت اختیار کی وہ اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دینے کے بعد اس بات کی طرف اس لیے تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے ایمان اور اخلاق کی طرف ہوشیار رہے، کہیں ایسا نہ ہو کافر بیوی کی طرف مائل ہو کر یا اس کے عقائد سے متاثر ہو کر وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے یا اخلاق اور معاشرت میں ایسے راستے پر چل پڑے جو اسلام کے منافی ہو۔ (4)

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب " حقوق الزوجین" میں ایک جگہ اہل کتاب عورت سے سے نکاح کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اگرچہ اہلِ کتاب سے متعلق قانون اجازت دیتا ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر لیا جائے اور وجہ یہ بیان کی کہ تہذیب کے مبادی میں ایک حد تک ہمارے اور ان کے درمیان اشتراک ہے یہاں اہلِ کتاب کی

1۔ الانعام:156

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:3/ 248

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 447

4۔ ایضاً

عورتوں سے نکاح کے حوالے سے بتایا جارہاہے جبکہ اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورت کا نکاح ممنوع ہے کیونکہ عورت کی فطرت میں یہ چیز داخل ہے اس میں اثرپذیری اور قبولیت کا مادہ نسبتاً مرد سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ایک غیر مسلم خاندان اور معاشرے میں غیر مسلم کے ساتھ اس کے رہنے سے یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ وہ ان کی اقدار اختیار کرلے گی۔(1)

مولانا مودودیؒ مزید لکھتے ہیں کہ اسلام میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیاہے، دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک کتابیہ سے نکاح کرنا چاہاتو نبی ﷺ نے ان کو منع کردیااور ممانعت کی وجہ یہ ارشاد فرمائی(اِنَّھَا تحصنکَ) وہ تجھے محصن نہیں بناسکتی مطلب یہ کہ اس صورت میں ان دونوں کے مابین مودت ورحمت پیدا نہ ہوگی۔(2)

مولانا مودودیؒ اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کے متعلق فقہاء کی آراء کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:فقہاء میں سے امام شافعیؒ کے نزدیک اہل کتاب صرف یہودی اور نصرانی ہیں جو بنی اسرائیل سے ہوں جبکہ دوسری قومیں جنہوں نے یہودیت اور نصرانیت اختیار کی ہو تو اہلِ کتاب میں شامل نہیں، جبکہ حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک ہر وہ قوم جو کسی نبی کو ماننے کی قائل ہو یا نبی کا مانتی ہو اور کسی کتابِ الٰہی پر ایمان رکھتی ہو وہ اہلِ کتاب شمار کی جائے گی اس میں یہود و نصاریٰ کی کوئی قید نہیں۔(3)

فقہاء میں سے امام شافعیؒ کا مؤقف مولانا مودودیؒ کی تائید میں ہے اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک صحیح مسلک امام شافعی والا ہے اور قرآن مجید میں انہی دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) کا ذکر ہوا ہے۔(4)

یعنی کہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک اہلِ کتاب وہی ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر آیاہے جبکہ جنہوں نے بعد میں نصرانیت یایہودیت اختیار کی وہ اہل کتاب شمار نہیں ہوں گے۔

1۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:25

2۔ ایضاً، ص:26

3۔ مودودی، **تفہیمات**، حصہ دوم/305

4۔ ایضاً

تجزیہ

مولانا مودودیؒ کے نزدیک بھی کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے، وہ اہلِ کتاب جن کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے اور اما شافعی بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ جن اقوام نے بعد میں نصرانیت یا یہودیت اختیار کی ہو وہ اس سے مستثناء ہیں۔

کتابیہ عورت سے نکاح سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے تناظر میں اہل کتاب سے نکاح کے متعلق مسائل کو عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے اپنے اپنے انداز میں ذکر کیا ہے جن کو ذیل میں تقابلی انداز میں بیان کیا جارہا ہے۔

کتابیہ عورت سے نکاح:

کتابیہ عورت سے نکاح سے متعلق عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اتفاق اور اختلاف دونوں پایا جاتا ہے۔عطاری صاحب اور دیگر فقہاء کے نزدیک کتابیہ عورت سے نکاح سے متعلق بطور استدلال یہ آیت ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُم حِلٌّ لَّهُم وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَان وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَ فِی الْاٰخِرَة مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[1]

ترجمہ:(آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے او پاکدامن عورتیں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئ ان کی پاکدامن عورتیں (تمہارے لیے حلال کر دی گئیں) جبکہ تم ان سے نکاح کرتے ہوئے انہیں ان کے مہر دو، نازنا کرتے ہوئے

1۔المائدۃ:5

اور نہ پوشیدہ آشنا بناتے ہوئے اور جو اور جو ایمان سے پھر کر کافر ہو جائے جائے تو اس کا ہر عمل برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہو گا)[1]

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کتابیہ عورت سے نکاح سے متعلق مشترک پہلو یہ ہے کہ اہلِ کتاب عورتوں سے خفیہ روابط قائم رکھنا حرام ہے۔ محمد قاسم عطاری کے نزدیک اگر اہلِ کتاب واقعی اہلِ کتاب ہیں پھر ان کے ساتھ نکاح جائز ہے اگر نام کے ہی اہلِ کتاب ہیں تو وہ اہلِ کتاب شمار نہیں ہوں گے جن کی تائید دیگر مفسرین و فقہاء سے ہوتی ہے۔ مولانا مودودی ؒکہتے ہیں کہ اہلِ کتاب وہی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ، جنھوں نے بعد میں نصرانیت یا عیسائیت اختیار کی وہ اہلِ کتا نہیں اس لیے ان اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو اسلام نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے" [2]

اسی طرح عطاری صاحب اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ ہر وہ قوم جو الہامی کتابوں میں سے کسی کتاب پر ایمان لا تی ہو اور کسی نبی کو تسلیم بھی کرتی ہو وہ بھی اہلِ کتاب شمار ہو گی جبکہ مولانا مودودیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اہلِ کتاب وہی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَ اِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ﴾ [3]

ترجمہ: (اس لیے اترا) تاکہ تم یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی)[4]

کتابیہ سے نکاح سے متعلق دونوں مفسرین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اور دونوں کے پاس دلیل ہے۔ لہٰذا قارئین ان میں سے قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/433

2۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص:26

3۔ الانعام:156

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:3/248

باندی سے نکاح کا حکم

اسلام نے مردوں کو مخاطب کر کے یہ اصول سامنے رکھا کہ اگر تم آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے تو جو مسلمان کنیزیں تمہارے قبضے میں آجائیں ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک آزاد عورت اور مومنہ کنیز کے نکاح کے احکامات اے ک جیسے نہیں ہوتے۔ اسلام نے باندی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین بھی فرمائی، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ﴾[1]

ترجمہ (اور جو شخص تم میں سے اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے، اسے چاہیے کہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور مومنہ ہوں۔ اللہ تمہارے ایمانوں کو خوب جانتا ہے)[2]

آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے تاکہ مرد پر زیادہ بوجھ نہ پڑھے کیونکہ ایک مومنہ لونڈی سے نکاح کے احکامات ایک آزاد مسلمان عورت کے نکاح سے مختلف ہوتے ہیں۔

عطاری صاحب مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس شخص میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت ہو اس کے لیے مسلمان کنیز سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ آزاد عورت سے نکاح کر لیا تو اب باندی سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں، احناف کے نزدیک کتابیہ لونڈی سے نکاح بھی کر سکتا ہے جبکہ مومنہ کنیز سے مستحب ہے۔[3]

1۔ النساء:25

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/341

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/198

اہل عرب اپنے نسب پر فخر کرتے اور لونڈیوں سے نکاح کرنے کو معیوب تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک لونڈی سے نکاح کرنا باعثِ عار تھا۔ اسلام نے عرب کی اس گھٹیا سوچ کی تردید کی اور بتایا کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور لونڈیوں سے نکاح کرنا باعثِ عار نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ تم سب ایمان میں مشترک ہو، یعنی کہ تم سب کا دین اسلام ہے اور ایمان والا ہونا بڑی فضیلت کا حامل ہے، بلکہ فضیلت کا دارومدار تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ اس لیے جب لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو شرم محسوس نہ کرو بلکہ ان کا ایمان والا ہونا کافی ہے۔(1)

جنگی قیدیوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے محمد قاسم عطاری لکھتے ہیں کہ قیدیوں سے وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا، انہیں حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا نیز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اسلام نے جنگی قیدیوں کے معاملے میں ایسا حل پیش کیا کہ جس کا دیگر مزاہب میں تصور تک نہیں ملتا۔ وہ یہ کہ جنگ میں قید ہونے والے مردوں کو غلام جبکہ عورتوں کو لونڈیاں بنالیا جائے۔ انہیں بھوکہ پیاسا رکھنے اور ناروا سلوک کرنے کی بجائے ان کے ساتھ احسن انداز سے سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہاں تک کہ فدیہ لئے بغیر یا فدیہ لے کر ہی سہی انہیں آزاد کرنے کی تلقین کی گئی، آزاد کرنے پر بے شمار بشارتیں بھی دی گئیں۔

باندی سے نکاح سے متعلق بیان دیگر مفسرین کی آراء کی روشنی میں

1۔ میاں محمد جمیل کے نزدیک جس شخص کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ تو اسے اختیار ہے کہ مسلمان لونڈی سے نکاح کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان رشتۂ اسلام کے باعث ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں سے نکاح کرنے کی دو وجوہ بیان کی ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہو دوسری وجہ یہ کہ مرد کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ محسوس کرتا ہو۔(2)

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/198

2۔ میاں محمد جمیل، **فہم القرآن**، (ابوہریرہ اکیڈمی، مئی2014ء)، ص:1/675-674

2۔ مولانا عبد الرحمن کے نزیک لونڈی سے نکاح کی اجازت صرف اس شخص کے لیے ہے جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور اسے یہ خدشہ بھی ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔[1]

3۔ حافظ صلاح الدین یوسف کے نزدیک لونڈیوں سے نکاح کی اجازت ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد عورت سے نکاح کے قابل نہ ہو جائے۔[2]

دورِ حاضر میں کسی عورت کو باندی بنایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ اس حوالے سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے عالم دین علامہ **محمد یوسف بنوری** نے فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ دور میں کسی عورت کو باندی یا لونڈی نہیں بنایا جاسکتا؛ اس لیے کہ غلام / باندی بنانے کی اجازت جن صورتوں میں ہے یہ ان میں داخل نہیں ہے، اس کے لیے جو شرائط ہیں کہ شرعی جہاد ہو، امام المسلمین کی رائے ہو اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو جس کی رو سے ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہ بنایا جاسکتا ہو وغیرہ وغیرہ موجودہ دور میں یہ شرائط مکمل نہیں ہیں، اس لیے کسی عورت کو باندی بنانا جائز نہیں ہے۔[3]

تجزیہ

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لئے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ جن مردوں کو یہ استطاعت نہ ہو کہ وہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کر سکے تو اسے اختیار ہے کہ کسی لونڈی سے نکاح کر لے۔ کیونکہ ایک آزاد مسلمان عورت اور لونڈی سے نکاح کے احکام اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔

علامہ سعیدیؒ نے لکھا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم ڈھائے جاتے تھے اور ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں اس کے مقابلہ میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس

1۔ کیلانی، عبد الرحمٰن، **تیسیر القرآن**، (لاہور: مکتبۃ الاسلام، 1432ھ)، ص:1 / 283

2۔ یوسف، حافظ صلاح الدین، **تفسیر احسن البیان**، (شاہ فہد قرآن کمپلیکس، 28 اگست، 2011ء)، ص:1 / 217

3۔ بنوری، محمد یوسف، **دارالافتاء جامعہ الاسلامیہ** : (کراتشی: جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان،) فتویٰ نمبر: 144007200623

طرح حسنِ سلوک کی ہدایت دی اور ان کو آزاد کرنے پر جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں یہ ان ہی کی نتیجہ ہے کہ آج سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا۔[1]

باندی سے نکاح، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ اسیرانِ جنگ میں سے کسی عورت کو کسی شخص کی ملکیت میں دے دینے کے بعد پھر حکومت اسے واپس لینے کی مجاز نہیں رہتی، بالکل اسی طرح جیسے کسی عورت کا ولی اس کو کسی کے نکاح میں دے چکنے کے بعد پھر واپس لینے کا حقدار نہیں رہتا۔ اگر فوجی کمانڈر محض عارضی طور پر اپنے سپاہیوں کو قیدی عورتوں سے شہوانی پیاس بجھا لینے کین اجازت دے دے اور محض کچھ وقت کے لیے انہیں فوج میں تقسیم کرے تو یہ اسلامی قانون کی رو سے قطعاً ایک ناجائز فعل ہے۔ اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور زنا اسلامی قانون میں جرم ہے۔[2]

مولانا مودودیؒ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ لونڈی کو جب اس کا مالک کسی اور شخص کے نکاح میں دے تو پھر خود اس مالک کو اس لونڈی کے قریب جانے کا حق باقی نہیں رہتا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے اپنا یہ حق مہر کے عوض اس شخص کی طرف منتقل کر چکا ہوتا ہے۔ ایسی لونڈیاں محصنات میں داخل ہو جاتی ہیں جن کو قرآن نے شوہر کے سوا سب کے لیے حرام قرار دیا ہے[3]

آپ ﷺ نے لونڈی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اچھی تعلیم دینے والے کو دہرے اجر کی بشارت دی ہے۔

لونڈی سے نکاح سے متعلق مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

1۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:2/623

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 341

3۔ مودودی، **تفہیمات**، حصہ دوم، ص:354

((قَالَ رَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم اَیُّمَا رَجُل کَانتْ عِنْدہُ وَلیدَۃ فعلمھاَ فَاحْسَن تعلِیمھَا، وادبہا فاحسن تادیبھَا، ثم اعتقھَا وتزوجھَا فلہُ اجْرانِ))[1]

ترجمہ:(جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب اچھی تعلیم دے اور اس کو اچھا ادب سکھائے پھر اس کو آزاد کر دے اور اس کے بعد خود اس سے نکاح کرلے تو اس کو دہرا اجر ملے گا)

جنگ میں گرفتار ہونے والے لونڈی غلاموں کے حق میں اسلام نے جو قانین وضع کیے ہیں اس کی نظیر دیگر مذاہب میں نہیں مل سکتی۔ دورِ حاضر میں وہ حالات باقی نہیں جن کے لیے یہ قوانین بنائے گئے تھے مگر قدیم ترین زمانے سے اٹھارہویں صدی عیسویں کے آغاز تک دنیا میں اسیر انِ جنگ کو غلام بنا کر رکھنے اور انہیں خرید و فروخت کرنے کا طریقہ مروج تھا۔ غلاموں سے ناروا سلوک کیا جاتا تھا، الغرض ان کی زندگی قید میں گزرتی تھی۔ اسلام نے ہی یہ اصول پیش کیا کہ میدانِ جنگ میں قید ہونے والے لوگوں کو آزاد کر و یا اسیر انِ جنگ سے مبادلہ کر لو یا احسن طریقہ سے انہیں رہا کیا جائے۔[2]

مولانا مودودیؒ مزید لکھتے ہیں کہ ان حالات میں دنیا کے سامنے یہ اصول پیش کیا کہ جو لوگ جنگ میں قید ہوں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا اسیر انِ جنگ سے مبادلہ کر لو یا طریقِ احسن سے رہا کرو۔ لیکن اصلاحی تعلیم کا نفاذ صرف مسلمانوں کے عمل سے نہ ہو سکتا تھا بلکہ اس کام کے لیے ان غیر مسلم قوموں کا راضی ہونا بھی ضروری تھا جن سے مسلمانوں کو جنگ پیش آئی تھی اور وہ اس وقت اس اصلاح کو قبول کرنے پر آمادہ تھیں نہ اس کے بعد صدیوں تک آمادہ ہوئیں۔ اس لیے اسلام نے بدرجہ آخر اس کی اجازت دی کہ دزمن کے اسیر انِ جنگ کو اسی طرح غلام بنا کر رکھا جائے جس طرح دوسری قومیں مسلمانوں کے اسیر انِ جنگ کو رکھتی ہیں۔[3]

محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

1۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کِتَابُ النِّکَاحِ، بابٌ اتِّخَاذِ السَّرَارِی، ح: 5083

2۔ مودودی، **تفہیمات**، مولانا مودودی، حصہ دوم، ص:350

3۔ ایضاً

عرب میں باندیوں کے ساتھ نکاح کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور ان کے شکم سے جو اولاد ہوتی تو اس کو " ھجین " [1] کہا جاتا، یہ بتا کر کہ تم سب آدم کی اولاد ہو، اس خیال کی تردید کر دی" [2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ باندیوں کو اچھا خیال نہیں کیا جاتا تھا اور ان کے خیال کو بھی باعثِ عار تصور کیا جاتا تھا اور اسلام نے اہلِ عرب کے اس خیال کی تردید کر دی۔

تجزیہ

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس نے نہ صرف مسلمان مرد و عورت کے حقوق کا خیال رکھا بلکہ اپنی ایک نادر مثال پیش کر کے مسلمان کنیز اور باندی کے حقوق بھی خیال رکھا کیونکہ مسلمان رشتۂ اسلام کی بدولت ایک دوسرے کے ہمدرد اور ایک دوسرے سے منسلک رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کے لئے آسانی پیدا کر دی کہ اگر وہ کسی آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے سے قاصر ہوں تو انہیں اختیار دے دیا گیا ہے کہ کسی مسلمان کنیز اور باندی سے نکاح کر لیں اور ساتھ ہی اسلام نے عرب کے اس گھٹیا تصور کو بھی ختم کر دیا کہ جو باندیوں سے نکاح کرنے کو باعثِ عار خیال کرتے تھے۔

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں باندی سے نکاح کا جو بیان گزرا ہے وہ دیگر مفسرین کی آراء کی روشنی میں دونوں مفسرین کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ مذکورہ بحث میں تین باتیں سامنے آئیں۔ ایک باندی سے نکاح کا ثبوت و حکم اور دوسری اور باندی سے نکاح کی صورت جبکہ تیسری بات باندی سے نکاح کی حکمت ہے، ذیل میں ان کو کو بیان کیا جارہا ہے۔

1۔ باندی سے نکاح کا ثبوت و حکم:

شریعت نے مسلمان مردوں کو باندی سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ جس کے ثبوت و حکم میں عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

---

1 ۔ گھٹیا تصور کرنا

2۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص: ۱/ ۳۳۵

﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ [1]

ترجمہ:(اور تم میں سے جو کوئی اتنی قدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو ان مسلمان کنیزوں سے نکاح کرلے جو تمہاری ملک ہیں)[2]

اس سے معلوم ہوا ہوا کہ عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک یہ پہلو مشترک ہے۔

2۔باندی سے نکاح کی صورت:

شریعتِ اسلامیہ میں باندی سے نکاح کرنا اس صورت اجازت ہے جب مسلمان مرد کو ایک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو۔ اس حوالے سے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جیسا کہ مذکورہ آیت سے ہی ظاہر ہے اس میں باندی سے نکاح کا حکم اور صورت کا تذکرہ موجود ہے۔ جیسا کہ یوسف صاحب بیان کرتے ہیں کہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت ان مردوں کے لئے ہے جن کو گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد خاندانی عورت سے نکاح کے قابل نہ ہو جائے [3]

3۔باندی سے نکاح کرنے کی حکمت:

باندی سے نکاح کرنے کی حکمت یہ ہے کہ باندی کے حقوق صلب نہ ہوں ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک ہونے سے حفاظت ہو وہ امن کی زندگی بسر کر سکیں۔ کیونکہ دورِ جاہلیت میں ملکِ عرب میں باندی سے نکاح کو اچھا تصور نہیں کیا جاتا تھا۔

1۔النساء:25

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2۔198

3۔یوسف، **تفسیر احسن البیان**، ص:1/ 217

جیسا کہ عطاری صاحب لکھتے ہیں کہ اہل عرب اپنے نسب پر فخر کرتے اور لونڈیوں سے نکاح کرنے کو معیوب تصور کرتے تھے۔ان کے نزدیک لونڈی سے نکاح کرنا باعثِ عار تھا۔ اسلام نے عرب کی اس گھٹیا سوچ کی تردید کی اور بتایا کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور لونڈیوں سے نکاح کرنا باعثِ عار نہیں [1]

مذکورہ پہلو میں عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک استدلال میں مطابقت ہے جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی کے فقہی استدلال سے بھی واضح ہے۔دورِ حاضر میں لونڈیوں کی صورتِ حال نہیں پائی جاتی اگر کبھی ضرورت پڑ بھی جائے تو باندیوں سے نکاح سے متعلق مسائل و احکام صراط الجنان اور تفہیم القرآن میں جس انداز سے ذکر کیے گئے ہیں، ان پر عمل کیا سکتا ہے۔لہٰذا دونوں مفسرین کے نزدیک یہ بھی مشترک پہلو ہے۔

1۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/198

باب سوم

طلاق سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

فصل اول: طلاق کے مسائل واحکام

فصل دوم: عدت کے مسائل واحکام

فصل سوم: سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل واحکام کا ربط

فصل اول

طلاق کے مسائل واحکام

اسلام کی تعلیمات اس قدر اہم ہیں کہ وہ نکاح کے ذریعے زوجین کو ایک عظیم رشتے سے منسلک کرتی ہیں۔ اسی سے زندگی کی تخلیق کا مقصد عیاں ہوتا ہے لیکن دوسری طرف زوجین کے مابین تعلقات اس قدر بگڑ جائیں اور اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو ایسا نہیں کہ مرد وعورت اس کشمکش اور گھریلو پریشانیوں میں زندگی بسر کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بہترین حل طلاق کی صورت میں بتایا ہے۔ (1)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَاِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ وَکَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیۡمًا﴾ (2)

ترجمہ: (اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا، حکمت والا ہے) (3)

طلاق، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

اسلام حد بندی کا قائل ہے اور وہ قائلین اور ماننے والوں کو معتدل راستہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے جو اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ نکاح سے اگر اصل مقاصد حاصل نہ ہوں تو اسلام حکیمانہ طریقے سے مرد وعورت کو جدا ہونے کی اجازت دیتا ہے جسے طلاق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ انسان کی زندگی کو بچانے کے لیے ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کر لیں تا کہ اس کا ہنستا بستا خاندان تباہ ہونے سے بچ جائے۔ اسلام سے پہلے معاشروں میں طلاق کی حد بندی اور معتدلانہ روش کو نظر انداز کیا جاتا تھا، مرد

1۔ اسحاق زاہد، **اسلام کا قانونِ طلاق اور اس کا ناجائز استعمال**، ص:37

2۔ النساء:130

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/364

جب چاہتے طلاق دیتے اوراپنی مرضی سے رجوع کرنا چاہتے تو رجوع کرتے۔ مختلف تہذیبوں کی تاریخ اعلانیہ بتاتی ہے عورت غلامی کی زندگی اور گری ہوئی زندگی گزار رہی تھی۔ طلاق کی حد بندی کے حوالے سے سید قطب شہید تحریر کرتے ہیں کہ اس پابندی کے نتیجے میں طلاق کی تعداد محدود ہو گئ اب وہ سابقہ صورتِ حال باقی نہیں رہی کہ شوہر اپنی بیوی کو مسلسل طلاق دیتا چلا جائے اور اسے تکلیف دیتا رہے اور اس کو بازیچۂ اطفال [1] بنادے [2]

میری ذاتی رائے مذکورہ رائے سے اتفاق کرتی ہے کیونکہ اسلام حد بندی کا قائل ہے اس لئے تو اسلام نے دورِ جاہلیت کے ان غیر ضروری طلاق کے طریقوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس میں عورت ساری زندگی غلامی میں بسر کرتی اور اپنا وقار کھو بیٹھتی اور اسلام کے آغاز سے ہی اس غلط اور منفی سوچ کو حکیمانہ طریقے میں تبدیل کر دیا گیا جس کی دیگر مذاہب میں نظیر نہیں مل سکتی۔

محمد کرم شاہؒ طلاق کی تحدید کے متعلق کچھ لکھتے ہیں:

مذکورہ آیت کی رو سے خاوند کے حقِ طلاق کو تین بار تک محدود رکھا گیا ہے۔ ایک بار طلاق دینے کے بعد اسی طرح دوسری بار طلاق دینے کے بعد خاوند اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے جبکہ تیسری بار طلاق دینے کی صورت میں رجوع کا اختیار ختم ہو جائے گا[3]

باحث اس رائے سے یہ سمجھا کہ مرد جب ایک یا دو طلاقیں دے گا تو اسے اختیار ہو گا کہ وہ عورت سے رجوع کرلے اگر طلاق رجعی [4] دی ہے تو رجوع کرنے میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں جبکہ طلاقِ بائن میں بغیر رضامندی کے رجوع نہیں کیا سکتا اگر طلاقِ بائن [5] دی ہے تو عدت کے اندر اور عدت کے باہر تجدیدِ نکاح سے

1 ۔بچوں کا کھیل

2۔سید قطب شہید، **تفسیر فی ظلال القرآن**، مترجم: معروف شاہ شیرازی، سید، (ادارہ منشوراتِ اسلامی) ص:1/ 361

3۔الازہری، ضیاء القرآن، ص:1/157

4 ۔ایسی طلاق جس میں شوہر کے پاس بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع کا اختیار رہو تا ہے۔ عدت کے اندر عورت کی مرضی کے بغیر رجوع کر سکتا ہے جبکہ عدت گزرنے کے بعد تجدیدِ نکاح کرنا ہو گا اور عورت کی رضامندی بھی ضروری ہو گی۔

5 ۔ایسی طلاق جس میں شوہر طلاق کے واضح الفاظ استعمال نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ تم مجھ پر حرام ہے یا طلاق کی نیت سے کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اور باہر دونوں صورتوں میں اگر مرد وعورت دونوں نکاح کرنا چاہیں تو رجوع ہو جائے گا اور اس صورت میں عورت کی رضامندی ضروری ہے۔

زوجین پھر سے رشتہ ازدواج سے منسلک ہو سکتے ہیں۔ دو طلاقیں دینے کے بعد شوہر کو ایک طلاق کا اختیار باقی رہ جاتا ہے اور بیوی کو تیسری بار طلاق دینے سے قبل شوہر بار بار سوچے گا اپنے خاندان کے بارے میں سوچے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس طرح طلاق ٹل جائے اور مرد و عورت پھر سے اس مقدس رشتے سے منسلک ہو جائیں۔

عطاری صاحب لکھتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ بیوی کے قریب نہ گیا ہو ایک طلاق دے اور چھوڑ دے حتیٰ کہ عدت کے دن گزر جائیں اور اس سے کم اچھا طریقہ متعدد صورتوں پر مشتمل ہے۔ ایک صورت یہ کہ جس عورت سے خلوت نہ ہوئی ہو اس کو طلاق دی جائے، دوسری صورت یہ کہ جس سے خلوت ہو چکی ہو اس کو حالتِ طہر میں تین طلاقیں دی جائیں یعنی کہ ہر طلاق ایک طہر میں دی جائے اور کسی صورت میں عورت کے قریب نہ گیا ہو اور نہ حیض کے دنوں میں بیوی کے قریب گیا ہو جبکہ تیسری صورت یہ ہے کہ ایسی عورت جسے حیض نہیں آتا جیسے نابالغہ، حاملہ یا وہ عورت جو عمر کی ایسی حد تک پہنچ جائے کہ حیض نہ آئے، ان سب عورتوں کو تین مہینوں میں تین طلاقیں دے۔ اس کے علاوہ حالتِ حیض میں طلاق دینا یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دینا یا جس طہر میں شوہر بیوی کے قریب گیا اس میں طلاق دینا یا طلاق حالتِ طہر میں دی مگر اس سے پہلے جو حیض گزرا اس حیض میں عورت سے جماع کیا تھا یا پہلے والے حیض میں طلاق دی تھی یا یہ سب باتیں نہیں مگر طہر میں طلاقِ بائن دی تھی یعنی وہ طلاق جس میں بغیر نکاح کے رجوع ممکن نہیں، ان سب صورتوں میں طلاق دینا بہت برا اور ممنوع ہے مگر ان صورتوں میں طلاق ہو جائے گی۔ (1)

حالتِ حیض میں طلاق دینا جائز نہیں جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری حالتِ حیض میں طلاق دینے کو گناہ تصور کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

امام نسائی المتوفی 303ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

1۔ عطاری، محمد قاسم، (**طلاق کے آسان مسائل**)(کراچی: مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ، فیضانِ مدینہ، الطبع الاول: 2003ء، نئی طباعت: 1432ھ، بمطابق جون، 2011ء) ص: 25

((أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتُهُ ثَلاَث تَطْلِيْقَاتجَمِيْعًا، فَقَامَ غَضْبَانَا،ثُمَّ قَالَ: اَيَلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ، وَاَنَا بَيْنَ اَظهرُكُم"حَتَّى قَامَ رَجُلُ وَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلَا اَقْتلُهُ؟)) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں آپ ﷺ غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کو قتل کروں

مذکورہ حدیث میں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے زوجین کے رشتے کی عظمت کو بیان کیا جارہا ہے کہ اگر طلاق دینی ہی ہے تو ایک ایک کر کے وقفے سے دو تاکہ دوسری اور تیسری بار طلاق دینے سے پہلے شوہر کو سوچنے سمجھنے کا وقت مل جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زوجین اس پہلی طلاق کے بعد رجوع کر لیں اور وہ خاندان انتشار سے بچتے ہوئے پھر سے ہنسی خوشی زندگی گزارنا شروع کر دے۔ پس اس حدیث سے خبردار کیا گیا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے گریز کیا جائے۔

تین طلاقوں کے متعلق شرعی مسئلہ

عطاری صاحب تین طلاقوں کی شرعی حیثیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں تین مہینوں میں دی جائیں یا ایک مہینے میں یا ایک دن میں یا ایک نشست یا جملے میں، ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت مرد پر حرام ہو جائے گی۔ تین طلاقوں کے بعد بغیر شرعی طریقے کے مرد و عورت کا قریب جانا حرام و ناجائز ہے اور ایسی صلاح کی کوشش کروانے والے بھی گناہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں [2]

تیسری طلاق کے حوالے سے شرعی حکم سے متعلق قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے:

1۔ النسائی، احمد بن شعیب، **سنن النسائی** (بیروت، دار الکتب العلمیہ 1426ھ)، کتاب الطلاق، الثَّلَاثُ المَجْمُوعَۃِ وَمَا فِیہِ مِنَ التَّغلِیظِ، ح: 1430

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/403

﴿فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ﴾(1)

ترجمہ: (پھر اگر دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہو گی، الّا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدودِ الٰہی پر قائم رہیں گے، تو ان کے لیے دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے واضح کر رہا ہے جو اس کی حدوں کو توڑنے کا انجام دیتے ہیں)(2)

محمد قاسم عطاری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ اب رجوع اور نکاح کا اختیار بھی ختم ہو گیا، طلاق یافتہ عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانے کے لیے عورت عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور دوسرا مرد صحبت کے بعد طلاق دے یا وہ فوت ہو جائے اور پھر وہ عورت دوسرے شوہر سے طلاق ملنے یا فوت ہونے پر عدت گزارے۔(3)

عطاری صاحب کی مذکورہ بحث سے یہ سمجھا ہے کہ جب شوہر بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اب بغیر شرعی طریقہ (حلالہ) کے وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور یہی شریعت کا منشاء ہے۔

دورِ حاضر میں طلاق کی جدید صورت تحریری ہے جس کے متعلق عطاری صاحب نزدیک یہ ہے کہ ”تحریری طلاق کی چند صورتیں ہیں جن میں ایک صورت یہ ہے کہ شوہر خود طلاق کا مضمون تحریر کرے، دوسری یہ کہ کسی دوسرے شخص کو طلاق کا مضمون تحریر کرنے کو کہے تو شوہر نے وہ مضمون پڑھ کر یا اس کا مفہوم جان کر

1۔ البقرۃ:230

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/176۔175

3۔ ایضاً

رضامندی کا اظہار کر دیا یا اس کاغذ پر دستخط کر دیے تو طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر طلاق کے الفاظ یہ ہوں کہ میرا یہ خط جب تجھے پہنچ جائے تو تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی" [1]

طلاق، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

مولانا مودودیؒ کورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ آیت میں عرب کی جاہلیت کے متعلق ایک بہت بڑی معاشی خرابی کی اصلاح کی گئی ہے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو لاتعداد طلاق دینے کا اختیار رکھتا تھا۔ وہ شخص اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیتا پھر رجوع کر لیتا تھا۔ وہ عورت نہ تو اس کے ساتھ رہ سکتی تھی اور نہ ہی اس سے آزاد ہو کر کسی اور سے نکاح کر سکتی تھی قرآن مجید کی یہ آیت اس ظلم کا دروازہ بند کرتی ہے۔ اس آیت کی روشنی میں مرد اپنی بیوی کو صرف دو مرتبہ ہی طلاق دے سکتا ہے اور جو شخص اپنی بیوی کو دو بار طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو اس کے بعد وہ جب بھی تیسری طلاق دے گا وہ عورت اس سے مکمل طور پر جدا ہو جائے گی۔ [2]

طلاق کی شرعی نوعیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فقہاء کی آراء کی روشنی میں اس طرح لکھتے ہیں کہ طلاق کا شرعی طریقہ جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ عورت کو طلاق حالتِ طہر میں ایک مرتبہ دی جائے جبکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا درست نہیں ہے، بلکہ ایامِ ماہواری سے اس کے فارغ ہونے تک انتظار کرنا چاہیے اس کے بعد پھر سے اگر چاہے تو اسی طرح دوسرے طہر میں اطلاق دے دے ورنہ بہتر یہی ہے کہ پہلی طلاق دینے پر ہی اکتفاء کرے۔ [3]

جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

1۔ عطاری، **طلاق کے آسان مسائل**، ص:26

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 174

3۔ ایضاً

((عَنِ ابْنِ عُمَر انه طلق امراتُه وَهِي حائِض في عَهدِ رَسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَسْأَلَ عُمَر بن الخَطّاب رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلكَ فقال لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَليهِ وَسَلَّمَ مُرُهُ فَلْيُراجِعْهَا ثُمَّ ليتراَكها حَتَّى تَطَهَّر)) [1]

ترجمہ:(حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حائضہ تھیں، پس حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے اور اسے رہنے دے یہاں تک وہ پاک ہو جائے)

مذکورہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔اس لئے جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو طہر کا انتظار کرے۔پاک ہونے کے بعد بغیر صحبت کیے اس کو طلاق دے۔

طلاق کے متعلق اس بحث سے باحث یہ سمجھا کہ شریعتِ الٰہی میں تین طلاق سے عورت مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے اس وقت تک جب تک بغیر شرعی طریقے کے تجدید نکاح نہ کیا جائے۔ [2]

مولانا مودودیؒ طلاقِ ثلاثہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طلاق یافتہ (مطلقہ بیوی) کو پھر سے اپنی زوجیت میں لانے کے لیے بطور سازش کسی مرد سے نکاح کرائے اور یہ طے کر لے کہ وہ نکاح کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تو ایسا نکاح، نکاح نہیں بلکہ بدکاری کہلائے گا، اور نہ ہی وہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال ہو گی۔حضرت علی، ابنِ مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسم نے ایسے طریقے سے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [3]

1۔القشیری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**،(بیروت، دار ابن حزم1419ھ)کتاب الطلاق، بابٌ تَحْرِيمِ طَلَاقِ الحَاءِضِ بِغَيْرِ رِضَاهَا، ح:3652

2۔اسحاق زاہد، **اسلام کا قانونِ طلاق اور اس کا ناجائز استعمال**، ص:43

3۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 177۔176

مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی رو سے جو فقہی استدلال کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانا چاہے تو وہ شرعی طریقے سے یہ کام کرے جبکہ غیر شرعی طریقہ سے مطلقہ بیوی کو اپنی زوجیت میں لانا حرام ہے تو ایسا نکاح، نکاح تصور نہیں ہو گا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں محمد کرم شاہ کچھ اس طرح لکھتے ہیں: کہ اس آیت میں تیسری بار طلاق دینے کے متعلق بیان ہے کہ تیسری طلاق دینے کے بعد وہ عورت اس شوہر کے لیے اس وقت تک از سر نو نکاح میں نہیں آسکتی جب تک دوسرا خاوند اس عورت کے قریب نہ جائے اس کے بعد عدت گزار کر اپنی مرضی سے طلاق نہ دے دے اور یہ قرآن مید کا واضح حکم ہے جس میں کوئی گنجائش نہیں۔[1]

باحث مذکورہ بحث سے اتفاق کرتا ہے اور یہ بات دونوں تفاسیر صراط الجنان اور تفہیم القرآن اور دیگر مفسرین کے نزیک بھی پائی جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ محمد قاسم عطاری نے طلاق کی جدید صورت تحریری طلاق کو بھی بیان کیا ہے۔

طلاق کے بعد یہ سوال عموماً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق یافتہ عورت کی گود میں شیر خوار بچہ زیرِ پرورش ہو تو زوجین کی مفارقت کے بعد اس بچے کا کیا ہو گا؟ اس حوالے سے مفسرین اور علماء کرام نے بحث کی ہے، جیسا کہ محمد قاسم عطاری نے بھی اس حوالے سے بحث کی ہے۔

عطاری صاحب لکھتے ہیں کہ ماں مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا اس شرط پر واجب ہے کہ باپ کو اجرت پر اس بچے کو دودھ پلانے والی کوئی اور عورت میسر نہ ہو یا بچہ اپنی ماں کے سوا کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیتا ہو، اگر یہ باتیں نہ ہوں تو اس صورت میں ماں پر یہ مستحب ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے۔ اسی طرح بچے کی پرورش کی ذمہ داری باپ پر واجب ہے اور باپ کی ذمہ داری ہے کہ اس بچے کو دودھ پلانے والی کو مقرر کرے لیکن اگر ماں رغبت سے دودھ پلانا چاہے تو یہ مستحب ہے۔ شوہر عورت کو بچے کے دودھ پلانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے، جب تک وہ عورت اس شوہر کے نکاح یا عدت میں

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1 /159۱۵۹

ہے۔اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہو اور عدت کی مدت بھی گزر چکی ہو تو اس صورت میں بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے اور بچے کے تمام اخراجات باپ کے ذمۂ کرم پر ہوں گے۔[1]

مذکورہ بحث سے متعلق پیر کرم شاہؒ کی رائے بھی مطابقت رکھتی ہے۔جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں:ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر یہ واجب ہے کہ اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلائے،اس شرط پر کہ باپ کو اجرت پر دودھ پلانے کی قدرت نہ ہو یا کوئی دوسری عورت میسر نہ ہو یا بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دودھ کو قبول نہ کرتا ہو۔اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ماں پر اس بچے کو دودھ پلانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔[2]

بچے کے دودھ پلانے کے حوالے سے مولانا مودودیؒ نے بھی مذکورہ آراء کی طرح ہی بحث کی ہے۔ان کے نزدیک زوجین کے مابین جدائی کے بعد اگر مطلقہ عورت دودھ نہ پلائے تو باپ کی ذمہ داری ہے کہ اس بچے کے دودھ کے لیے کوئی عورت مقرر کرے اگر باپ مر جائے تو اس کی جگہ جو ولی ہو تو اسے یہ حق ادا کرنا ہو گا۔

تجزیہ

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ زوجین کی مفارقت کے بعد بھی اسلام نے بچے کی پرورش اور اس کو حق سے محروم نہیں رکھا بلکہ وہ عورت اگر عدت میں ہے تو اس بچے کو دودھ پلانا واجب ہے جبکہ عدت گزر جانے پر دودھ پلانا مستحب ہے۔اسلام نے باپ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کو مقرر کرو، دوسری طرف اسلام نے دائی کے حق کا بھی خیال رکھا کہ اگر مطلقہ عورت دودھ نہ پلانا چاہے تو اجرت پر کسی دوسری عورت کو مقرر کیا جائے۔

1۔عطاری، **صراط الجنان**، ص1/ 409-408

2۔الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:1/ 161

فصل دوم

عدت کے مسائل واحکام

عدت کے قانون میں بہت سے حکمتیں ہیں۔ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت کا اظہار ہو تا ہے مولانا جانبازؒ لکھتے ہیں:

اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنی خواہش پر فوراً ہی دوسرا نکاح کرلے اور یہ بات نکاح کی شان کے خلاف ہو گی۔ دوسری مصلحت خاص کر طلاقِ رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہو گا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعَت کرلے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کر زندگی گزارنے لگیں، اسی لئے طلاقِ رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے کا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور اہ رجعَت کرلے۔ طلاقِ بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعَت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانۂ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہمی رضامندی سے دوبارا نکاح کے ذریعہ اپنا ٹوتا ہوا رشتہ پھر سے جوڑلیں،ایک تیسری مصلحت یہ ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچے کے نسبت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا شریعتِ اسلام نے جو مدتِ عدت مقرر کی ہے وہ یقیناً حکمت سے بھرپور ہے، جسے ذیل میں بیان کیا جارہاہے۔[1]

عدت کی صورتیں

عدت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، جیسا کہ بغیر صحبت کیے عدت کا حکم، حاملہ عورت کی عدت کا حکم، طلاق یافتہ (جس عورت کو حیض آتاہو) کی عدت کا حکم، بیوہ کی عدت کا حکم، حیض سے مایوس عورتوں کی عدت کا حکم، ان سب صورتوں کو تفصیلاً بیان کیا جارہاہے۔

1۔ جانباز، محمد علی، **احکام عدت**، (لاہور: ادارہ جامعہ رحمانیہ، الطبع الاول: 2002ء)، ص:9

1۔بغیر صحبت کیے عدت کا حکم، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

مرد بغیر صحبت کیے بیوی کو طلاق دے دے تو اس صورت میں اس عورت کے لئے کوئی عدت نہیں۔ایسی مطلقہ عورت کی عدت کے متعلق قرآن میں آتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا﴾ [1]

ترجمہ:(اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بغیر ہاتھ لگائے طلاق دے دو تو ان پ تمہاری وجہ سے کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو تو انہیں فائدہ پہنچاؤ اور انہیں طریقے سے چھوڑ دو)[2]

عطاری صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾[3]

ترجمہ:(جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو تو پھر انہیں بغیر ہاتھ لگائے طلاق دے دو)[4]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر شوہر نے عورت کو ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے پہلے طلاق دی تو اس پر عدت واجب نہیں۔ البتہ خلوتِ صحیحہ قریب کے حکم میں داخل ہے اگر عورت کو خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی تو عدت واجب ہو گی اگرچہ ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو۔ یہ حکم مومنہ اور کتابیہ دونوں عورتوں کے لیے عام ہے، لیکن اس آیت میں مومن عورتوں کا ذکر ہے اس لئے مومنہ سے نکاح کرنا اولیٰ ہے۔ [5]

1۔الاحزاب:50

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:8/63

3۔الاحزاب:50

4۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:8/63

5 ۔**ایضاً**

عطاری صاحب نے جس انداز سے فقہی استدلال کیا اس کی تائید محمد نعیم الدینؒ اور امام ابن کثیرؒ کے فقہی بحث سے کچھ اس طرح ہوتی ہے، **محمد نعیم الدین**ؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اگر شوہر نے اپنی بیوی کو قبل از خلوت سے طلاق دی تو اس پر عدت نہیں جبکہ خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں شامل ہے، لہٰذا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دینے پر شوہر پر عدت واجب ہو جائے گی اگرچہ شوہر قریب نہ گیا ہو۔ (1)

ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم عورتوں کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر عدت نہیں بلکہ وہ جس سے چاہیں اسی وقت نکاح کرنے کی مجاز ہیں۔ مومنات کا ذکر یہ بوجہ غلبہ کے ہے ورنہ یہ حکم کتابیہ عورت کا بھی ہے (2)

﴿فَمَتِّعُوهُنَّ﴾ (3)

ترجمہ: (تو انہیں فائدہ پہنچاؤ) (4)

یہاں فائدہ پہنچانے سے یہ مراد ہے کہ اگر عورت کے لیے مہر متعین ہو چکا تھا تو خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دینے سے شوہر پر آدھا مہر واجب ہوگا اور اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو ایک جوڑا دینا واجب ہے جس میں تین کپڑے ہوں۔ (5)

عطاری صاحب کی مذکورہ آیت کے اس حصے کی تفسیر کی تائید ابنِ کثیر کی "تفسیر ابنِ کثیر" سے ہوتی ہے۔ ابنِ کثیرؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں: پس علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بعد از نکاح بغیر چھوئے اگر شوہر نے اپنی

1۔ مراد آبادی، **خزائن العرفان فی تفسیر القرآن**، ص: 1/ 765

2۔ ابن کثیر، تفسیر ابنِ کثیر، ص: 4/ 298

3۔ الاحزاب: 49

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 2/ 163

5۔ ایضاً

بیوی کو طلاق دے دی تو اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا آدھا دینا پڑے گا ورنہ تھوڑا بہت دینا کافی ہے۔ وہ آیت سے استدلال کرتے ہیں: [1]

﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَ قَدۡ فَرَضۡتُم لَهُنَّ فَرِيۡضَة فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ ﴾ [2]

ترجمہ: (تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر کرو اس صورت میں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے)[3]

محمد کرم شاہؒ اس حوالے سے مختصراً لکھتے ہیں: بغیر صحبت کیے طلاق کے بعد عورت کو نصف مال کی ادائیگی ضروری ہے جبکہ مہر نہ ہونے کی صورت کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔[4]

امام ابنِ کثیرؒ مزید اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو کچھ نہ کچھ دو وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿لَاجُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَمَالَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡتَفۡرِضُوۡالَهُنَّ فَرِيۡضَةوَّمَتِّعُوۡهُنَّ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الۡمُقۡتِرِقَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ [5]

ترجمہ: (تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر ہو۔ اس صورت میں انہیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے۔ خوشحال آدمی اپنی قدرت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی قدرت کے مطابق معروف طریقے سے دے۔ یہ حق ہے نیک آدمیوں پر) [6]

1۔ابنِ کثیر، **تفسیر ابنِ کثیر**، ص:4/298

2۔البقرۃ:237

3۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/181

4۔الازہری، **ضیاء القرآن**، محمد کرم شاہ، ص:4/83

5۔البقرۃ:236

6۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/181

﴿وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً﴾ [1]

ترجمہ:(اور انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو) [2]

اچھی طرح چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے حقوق ادا کر دیے جائیں اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے کیونکہ ان پر کوئی عدت نہیں۔[3]

تجزیہ

عدت ایک خاص مدت کا نام ہے جس کا سلسلہ عورت کو طلاق دینے کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ شریعتِ مطہر کا یہ حکم ہے کہ نکاح کے بعد بغیر صحبت کیے طلاق ہونے پر عورت کے لیے کوئی عدت نہیں البتہ علماء و مفسرین کے ہاں خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں ہے لہٰذا ایسی عورت کے لئے عدت گزارنا لازم ہے اگرچہ صحبت نہ کی ہو۔اور یہ کتابیہ اور مومنہ دونوں کے لئے عام حکم ہے۔اور مہر متعین ہونے پر آدھا دینا ہوتا ہے۔جبکہ مہر متعین نہ ہونے کی صورت کی ایک جوڑا دیناواجب ہے۔

بغیر صحبت کیے عدت ، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں :

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اگرچہ مومن عورتوں کا لفظ مستعمل ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کتابی عورتوں کے معاملے میں قانون وہ نہیں ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔لیکن علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح کا حکم کتابیہ عورت سے بھی ہے ، مطلب یہ کہ کتابی عورت سے بھی کسی مسلمان نے نکاح کیا ہو تو اس کی طلاق، مہر سے متعلق وہی احکام ہیں جو مومن عورت سے نکاح کی صورت میں ہیں، لیکن علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مخصوص مومن عورتوں کا ذکر کیا ہے، مطلب یہ کہ مسلمانوں کے لئے مومن عورتیں ہی مناسب ہیں۔یہودی اور عیسائی عوروں سے

1۔الاحزاب:49

2۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:8/64

3۔ایضاً

نکاح جائز ہے مگر مناسب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ قرآن کے اس اندازِ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ ایمان سے توقع یہی ہے وہ مومن عورتوں سے نکاح کریں گے [1]

ظاہراً آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو تو خواہ وہ عورت کے پاس تنہائی میں رہا ہو، بلکہ اسے ہاتھ بھی لگا چکا ہو تب بھی طلاق دینے کی صورت میں عدت لازم نہ آئے۔ لیکن فقہاء نے حکم لگایا ہے کہ خلوتِ صحیحہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کے بعد عدت لازم آجائے گی اور عدت ساقط اس صورت میں ہو گی جب کہ بیوی کو خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دی ہو، پھر عورت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ طلاق کے بعد جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ حکم صرف طلاق قبلِ خلوت ہے۔[2]

﴿فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ [3]

ترجمہ: (تو انہیں فائدہ پہنچاؤ اور انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو) [4]

مذکوہ آیت کے اس حصے میں مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

اس حکم کا منشاء دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو پورا کرنا ہو گا۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا تھا اور پھر خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئ ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا واجب ہو گا جیسا کہ سورہ البقرہ میں کی آیت ۲۳۷ میں ارشاد ہوا ہے۔ اس واجب سے زائد کچھ دینا لازم نہیں ہے مگر مستحب ہے۔ مثلاً یہ بات پسندیدہ ہے کہ نصف مہر دینے کے ساتھ ساتھ مرد وہ جوڑا بھی عورت کے پاس ہی رہنے دے جو دلہن بننے کے لیے اسے بھیجا گیا تھا۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرنا واجب ہے اور یہ کچھ نہ کچھ آدمی کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت 336 میں فرمایا گیا ہے۔ [5]

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:110/4

2۔ ایضاً

3۔ الاحزاب،50

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:63/8

5۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:111/4

تجزیہ

مولانا مودودیؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر جس انداز سے کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مومنہ اور کتابی عورت کے نکاح کے معاملہ میں جو قانون اس آیت میں بیان ہوا ہے وہ کتابیہ عورت کے لیے خاص نہیں۔ بلکہ مومنہ عورت کے لئے خاص ہے۔

مولانا مودودیؒ نے مذکورہ آیت میں بیان ہونے والے عدت اور مہر کے مسئلے پر جس انداز سے بحث کی اس کی تائید محمد کرم شاہ اور اوپر جو مہر سے متعلقہ بحث گزری ان کی روشنی میں ہوتی ہے۔

اس حوالے سے محمد کرم شاہؒ اپنی تفسیر "ضیاء القرآن" میں لکھتے ہیں: جب تم ان کو اپنی حقِ زوجیت سے آزاد کرو تو بے مروّتی کا مظاہرہ مت کرو۔ طلاق دے کر تم نے ان کا توڑا ہے۔ ان کی کچھ اعانت کرو کہ دلجوئی ہو جائے اگر ایسی عورت کا مہر متعین تھا تو نصف ادا کرنا لازمی ہے۔ مہر متعین نہ ہونے کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا ضروری ہے [(1)]

باحث سے جہاں تک تحقیق ممکن ہو سکی اس کے مطابق ان دو مسائل کے علاوہ مولانا مودودیؒ کے فقہی استدلال کی تائید دیگر مفسرین اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں دیکھنے کو نہیں ملی۔

مذکورہ بحث کا تقابل:

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے تناظر میں سورۂ الاحزاب آیت 49 میں عدت کے جو مسائل و احکام بیان ہوئے ہیں، ان کے مشترک اور متفرق پہلو بیان کیے جا رہے ہیں۔

1۔ بغیر صحبت کیے عدت کا حکم:

بغیر صحبت کیے عورت کے لئے کوئی عدت نہیں۔ عطاری صاحب اور مولانا مودودی اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس حکم میں مشترک پہلو ہے، جیسا کہ آیت سے ہی ظاہر ہے:

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:4/83

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ [1]

ترجمہ: (اے ایمان والو: جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بغیر ہاتھ لگائے طلاق دے دو تو ان پر تمہاری وجہ سے کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو تو انہیں فائدہ پہنچاؤ اور انہیں اچھے طریقے سے چھوڑو)[2]

اس آیت میں مردوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب تم عورتوں کو رشتۂ ازدواج میں لاؤ اور بغیر چھوئے طلاق دینے پر ان کے لئے کوئی عدت نہیں۔

2۔ خلوتِ صحیحہ کی صورت میں اور مومنہ اور کتابیہ عورتوں کے لئے عدت کا حکم :

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اس حکم کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ عطاری صاحب کے نزدیک خلوتِ صحیحہ کی صورت میں عدت واجب ہو گی، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں داخل ہے اگر عورت کو خلوتِ صحیحہ کی صورت میں طلاق دی تو عدت واجب ہو گی اگرچہ ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو۔ یہ حکم مومنہ اور کتابیہ دونوں عورتوں کے لیے عام ہے، لیکن اس آیت میں مومن عورتوں کا ذکر ہے اس لئے مومنہ سے نکاح کرنا اولیٰ ہے۔[3]

عطاری صاحب کی اس رائے کی تائید محمد نعیم الدین کی رائے سے ہوتی ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے طلاق دی تو اس پر عدت واجب نہیں جبکہ خلوتِ صحیحہ قربت کے حکم میں شامل ہے، لہٰذا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دینے پر شوہر پر عدت واجب ہو جائے گی اگرچہ جماع نہ کیا ہو۔[4]

جبکہ مولانا مودودیؒ اس کے برعکس نظریہ رکھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں: ظاہراً آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو تو خواہ وہ عورت کے پاس تنہائی میں رہا ہو، بلکہ اسے ہاتھ بھی لگا چکا ہو تب بھی طلاق دینے

1۔ الاحزاب:49

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:8/ 63

3۔ ایضاً

4۔ مراد آبادی، **خزائن العرفان**، ص:1/ 765

کی صورت میں عدت لازم نہ آئے۔ لیکن فقہاء نے حکم لگایا ہے کہ خلوتِ صحیحہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کے بعد عدت لازم آجائے گی اور عدت ساقط اس صورت میں ہو گی جب کہ بیوی کو خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دی ہو، پھر عورت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ طلاق کے بعد جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ حکم صرف طلاق قبلِ خلوت ہے۔[1]

مذکورہ آیت کی رو مومن اور کتابی عورت کی عدت کے متعلق لکھتے ہیں:

اگرچہ مذکورہ آیت میں مومن عورتوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کتابی عورتوں کے معاملے میں قانون وہ نہیں ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔ لیکن علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح کا حکم کتابیہ عورت سے بھی ہے۔[2]

3۔خلوت صحیحہ سے قبل مہر کے واجب ہونے کا حکم:

خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے پر شوہر پر مہر کے واجب ہونے کا حکم اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں عورت کو کیا چیز دینا واجب ہو گی؟

اس حوالے سے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے وہ یہ کہ خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر نصف مہر ادا کرنا واجب ہے جبکہ مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں ایک جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ جانبین کی تائید دیگر مفسرین کی آراء سے بھی ہوتی ہے، ذیل میں وہ آراء پیش کی جا رہی ہیں:

امام ابنِ کثیر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

پس علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح کے بعد بغیر چھوئے اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اگر مہر

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:4/110

2۔ ایضاً

متعین ہو چکا تھا تو اس کا آدھا دینا پڑے گا ورنہ تھوڑا بہت دینا ہو گا۔[1]

ابنِ کثیر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَ قَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَافَرَضۡتُمۡ﴾[2]

ترجمہ:(تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر کرو اس صورت میں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے)[3]

محمد کرم شاہؒ کے نزدیک بغیر صحبت کیے طلاق کے بعد عورت کو نصف مال کی ادائیگی ضروری ہے جبکہ مہر کی عدم ادائیگی ہونے کی صورت کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔"[4]

حاملہ عورت کی عدت، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل (بچہ جننا) ہے، جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ﴾[5]

ترجمہ: اور حمل والیوں کی عدت کی مدت یہ ہے کہ اہ اپنا حمل جن لیں)[6]

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حمل والی عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش ہونے پر عطاری اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔ اسی طرح وضعِ حمل سے

1۔ابنِ کثیر، **تفسیر ابن کثیر**، ص:298/4

2۔البقرہ:237

3۔مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:181/1

4۔الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:83/4

5۔الطلاق:4

6۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:403/10

عدت پوری کرنے کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں، موت یا طلاق کے بعد جس وقت بچہ پیدا ہو جائے عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ ایک منٹ بعد۔[1]

مذکورہ آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب کے فقہی استدلال کی تائید امام ابن کثیر کی رائے سے ہوتی ہے۔ امام ابنِ کثیر اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"عورت کی عدت وضعِ حمل ہے اگرچہ طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے"[2]

حاملہ عورت اور بیوہ حاملہ کے حوالے سے یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

امام بخاریؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اَبِي سَلَمَةَ اخْبَرَتْهُ عَنْ امِّهَا امِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ انَّ امْرَاةَ مِنْ اَسْلَمَ يُقَالُ لَهَا سُبَيْعَةَ كَانَتْ تَحْتَ زَوْجِهَا تُوُفِّيَ عَنْهَا وَهِيَ حُبْلَى فَخَطَبَهَا ابُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَابَتْ انْ تَنْكِحَهُ فَقَالَ وَاللهِ مَا يَصْلُحُ انْ تَنْكِحِيهِ حَتَّيتَعْتَدِّي آخِرَالْاجَلَيْنِ فَمَكُثَتْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرِ لَيَالٍ ثُمَّ جَائَتْ النَّبِيَّ فَقَالَ انْكِحِ))[3]

ترجمہ: (زینب بنت ابو سلمہ کو اُن کی والدہ ماجدہ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ بنو اسلم کی سبیعہ نامی ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور وہ اس وقت حاملہ تھی۔ تو ابو السنابل بن بعلک نے اُسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ ابو السنابل نے کہا کہ خدا کی قسم تیرے لئے نکاح کرنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک تو بھی عدت پوری نہ کر لے۔ چنانچہ ابھی دس روز ہی گزرے تھے (کہ بچہ پیدا ہو گیا) اور وہ حضور نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نکاح کر لو)

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/403

2۔ ابنِ کثیر، **تفسیر ابنِ کثیر**، ص:5/358

3۔ بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الطلاق ،بابُ: {وَأُولَاتُ الأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، ح: 5012

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عورت چاہے طلاق یافتہ ہو اور حاملہ ہو یا چاہے حاملہ اور بیوہ ہو دونوں صورتوں میں اس عورت کے لئے عدت وضعِ حمل ہے اور ساتھ ہی اس حدیث سے محمد قاسم عطاری کی بحث کی تائید بھی ہو گئ ہے۔ کیونکہ انہوں نے مذکورہ آیت میں جو تفسیر بیان کی اس کی تائید ابنِ مسعود رضی اللہ عنہٗ کی رائے سے ہوتی ہے۔ مذکورہ آیت کے نزول کے متعلق کہتے ہیں کہ:

"سورۂ الطلاق کی مذکورہ آیت سورۂ البقرہ کی آیت 234 کے بعد نازل ہوئی۔ اس لئے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور ہر حاملہ کی عدت وضعِ حمل قرار دی ہے۔ چاہے وہ مطلقہ ہو یا بیوہ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضعِ حمل چاہے شوہر کی وفات کے بعد ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے زیادہ ہو جائے، بہر حال بچے کی پیدائش پر وہ عدت سے باہر ہو جائے گی" [1]

حاملہ عورت کی عدت، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں:

مولانا مودودی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس پر تمام علماء اتفاق کرتے ہیں کہ حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانۂ حمل میں وفات پا گیا ہو یا یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں اس عورت کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئ ہے جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم تمام عورتوں کے لئے عام ہے یا کہ ان عورتوں کے لئے خاص ہے جو حاملہ ہوں؟ حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہا ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو وضعِ حمل تک ہی ہے مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الاجلین ہے۔ مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس عورت کا بچہ چار مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنا ہو گی اور اگر اس کا وضعِ حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہو گی جب وضعِ حمل ہو جائے۔ یہی مذاہب امامیہ کا ہے۔ [2]

حاملہ عورت کی عدت سے متعلق تفہیم القرآن اور علماء نے جو بحث کی اس حوالے سے حدیثِ ملاحظہ ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلى عُمَرَ بنِ عبدِ اللَّهِ بنِ الأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ على سبيعة بنْتِ الحَارِثِ الأَسْلَمِيَّةِ، فَيَسْأَلَهَا عن حَديثِهَا وعَنْ ما قالَ لَهَا رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:5/571

2۔ ایضاً

حِينَ اسْتَفْتَتْهُ. فَكَتَبَ عُمَرُ بنُ عبدِ اللَّهِ بنِ الأَرْقَمِ إلعبدِ اللَّهِ بعُتْبَةَ يُخْبِرُهُ أنَّ سُبَيْعَةَ بنْتَ الحَارِثِ أخْبَرَتْهُ أنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ ابن خَوْلَةَوهو مِن بَنِي عَامِرِ بنِ لُؤَيٍّ، وكانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا فَتُوُفِّيَ عَنْهَا في حَجَّةِ الوَدَاعِ وهي حَامِلٌ، فَلَمْ تَنْشَبْ أنْ وضَعَتْ حَمْلَهَا بعد وفَاتِهِ، فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِن نِفَاسِهَا،تَجَمَّلَتْلِلْخُطَّابِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا أبو السَّنَابِلِ بنُ بَعْكَكٍ، رَجُلٌ مِن بَنِي عبدِ الدَّارِ، فَقالَ لَهَا: ما لي أرَاكِ تَجَمَّلْتِ لِلْخُطَّابِ، تُرَجِّينَ النِّكَاحَ؟فإنَّكِ واللَّهِ ما أنْتِ بنَاكِحٍ حتَّى تَمُرَّ عَلَيْكِ أرْبَعَةُ أشْهُرٍ وعَشْرٌو قَلتْ سُبَيْعَةُ: فَلَمَّا قالَ لي ذلكَ جَمَعْتُ عَلَيّ ثِيَابِي حِينَ وَضَعْتَ حَمْلی، وأَمَرَنِي بالتَّزَوُّجِ إنْ بَدالی)) [1]

ترجمہ:(ان کے والد نے عمر بن عبد اللہ بن ارقم زہری کو لکھا ہے کہ وہ حضرت سبیعہ بنتِ حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا تھا تو حضور نبیِ کریم ﷺ نے ان سے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عمر بن عبد اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عتبہ کو لکھا کہ میں نے حضرت سبیعہ سے جا دریافت کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا نکاح حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ[2] عماری سے ہوا تھا جو بنو عما بن لُوی سے تھے، حضرت سعد جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور حجۃ الوداع میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں اور ان کی وفات کے چند دنوں بعد ہی وضعِ حمل ہو گیا۔ نفاس سے پاک ہونے کے بعد انہوں نے منگنی کرنے والوں کے لئے بناؤ سنگھار کیا، اسی اثناء میں ان کے پاس بنو عبد الدار کے قبیلہ سے ابو السناسل بن بعلک نامی ایک شخص آیا اور کہنے لگا: تم نے بناؤ سنگھار کیوں کیا ہے؟ شاید تم نکاح کرنے کا ارادہ کر رہی ہو! قسم بخدا! تم نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ تمہارے پاس چار ماہ دس دن پورے نہ ہو جائیں۔ سبیعہ کہتی ہیں جب حضرت ابو السناسل نے یہ کہا تو میں اپنے کپڑے سنبھال کر شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اوعر آپ ﷺ سے میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ جیسے ہی میرا حمل وضع ہوا میری عدت پوری ہو گئ اور فرمایا اگر میں چاہوں تو دوسرا نکاح کر سکتی ہوں)

1۔القشیری، **صحیح مسلم**،کتاب الطلاق،بابانقضاء عدة المتوفى **عنها** زوجها ، وغيرها بوضع الحمل،ح:1484

2 ۔ آپ کا نام سعد(555ء۔613ء)اور والد کا نامہ خولہ تھا۔ آپ سابقین اسلام میں سے تھے۔ آپ غزوۂ بدر، خندق اور حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، حجتہ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ گئے۔ وہاں بیمار پڑ گئے اور دنیائے فانی سے کُوچ کر گئے۔(ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم، **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ**،(دارابن حزم:1443ھ)ص:3/747)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کوئی عورت طلاق یافتہ کے ساتھ بیوہ بھی ہو وہ وضعِ حمل ہوتے ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

علامہ الکاسانیؒ اپنی تصنیف " بدائع الصنائع " میں لکھتے ہیں:

''عِدت الحرة فی الوفاة اربعة اشهرو عشرة ایام سواء کانت مدخولاً بها ولا مسلمة او کتابية'' [1]

ترجمہ:(اگر عورت حاملہ نہ ہو تو آزاد بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے، برابر ہے کہ وہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو مسلمان ہو یا کتابیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو ایسی عورت کے لئے حکم ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ یہ عدت اس عورت کے لئے ہے جسے حیض آتا ہو مسلمان ہو یا کہ کتابیہ اس کی کوئی قید نہیں۔

تجزیہ

حاملہ عورت کی عدت سے متعلق اوپر جتنی بھی بحث ہوئی اور صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے تناظر میں جو بحث ہوئی ان کی تائید قرآن و حدیث، دیگر مفسرین وفقہاء کی روشنی میں ہوتی ہے لہٰذا حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے جیسا کہ آیت سے ہی ظاہر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وأُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [2]

ترجمہ:(اور حاملہ عورتوں کی مدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضعِ حمل ہو جائے) [3]

1۔ الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ص: 3/ 92

2۔ الطلاق: 4

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص: 5/ 570

لہذا یہ حکم عام اور عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک مشترک ہے۔

مطلقہ کی عدت، صراط الجنان کے مباحث کی کی روشنی میں:

مطلقہ عورت جس کو حیض آتا ہو، اس کی عدت تین حیض ہے، جیسا کہ عدت کے حوالے سے قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (1)

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں اپنی جانوں کو تین حیض تک روکے رکھیں۔ (2)

محمد قاسم عطاری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہی کہ:

"اس آیت میں مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کو ان کے شوہروں نے طلاق دی ہو اور ان کو حیض بھی آتا ہو تو ان کی عدت تین حیض ہے اگر وہ شوہروں کے پاس نہ گئ تھیں اور ان سے خلوتِ صحیحہ بھی نہ ہوئی تھی تو ان پر طلاق کی عدت نہیں ہے،

اس آیت کی تفسیر میں محمد کرم شاہؒ نے لکھا ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اسی وقت کسی اور سے نکاح کرلے جیسا کہ یہود کے ہاں رواج تھا، بلکہ اس کے حکم میں یہ عورت تین حیض تک انتظار کرے۔ اس کے بعد عورت نکاح کر سکتی ہے۔ شریعت میں اس مدت کا نام عدت ہے۔ اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ خاوند اگر چاہے تو رجوع کر سکتا ہے مگر اس شرط پر کہ اس نے تیسری طلاق نہ دی ہو۔ اس عرصہ میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائے گا اور یہ چیز خاوند کو رجوع کرنے پر آمادہ بھی کر سکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر شریعت کو اس سے پیدا ہونے والے بچے کے حقوق کا پاس ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ

1۔ البقرۃ:228

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/397

ہے کہ طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ تو ایک المناک حادثہ ہے لیکن عدت کی یہ مدت اس عورت کے لئے ہے جو مدخول بہاہو"[1]

علامہ ابنِ رشدؒ مذکورہ آیت میں استعمال ہونے والا لفظ قرء کے حوالے سے فقہاء اور صحابۂ کرام کی آراء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فقہاء میں سے کچھ کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے اور کچھ کے نزدیک حیض کا خون ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور اہلِ مدینہ امام ابو ثور رحمتہ اللہ علیہم کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے۔ صحابۂ کرام میں سے حضرت ابنِ عمر حضرت زید بن ثابت اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھم کا بھی یہی مسلک ہے اور جن فقہاء نے اس سے مراد حیض لیا ہے ان میں سرِ فہرست امام ابو حنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، ابنِ ابی یعلیٰ رحمتہ اللہ علیہم کا نام ہے۔ صحابۂ کرام میں سے حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابنِ مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنھم کا بھی یہی مذہب ہے۔[2]

علامہ ابنِ رشدؒ، امام احمدؒ کی حکایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکابر صحابہ کرام کہا کرتے تھے کہ اقراء سے مراد حیض کا خون ہے اور شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ گیارہ یا بارہ صحابہ کرام کا قول ہے جبکہ خود امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے اس بابت مختلف روایات ہیں، ایک یہ کہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن، عمر اور سیدہ عائشہ رَضِیَ اللہ عنھم کے قول کی روشنی میں میرا گمان یہ تھا کہ اس سے مراد طہر ہے لیکن جب میں نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنھما کے قول پر غور کیا تو میری سمجھ میں آیا کہ اس سے مراد حیض ہے[3]

تجزیہ

جن عورتوں کو حیض آتا ہو ان کی عدت سے متعلق دو آراء سامنے آئیں ایک جماعت کے نزدیک ایسی عورت کی عدت تین حیض ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ ایسی عورت جسے حیض آتا ہو، کی عدت تین طہر ہے لیکن

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص: 1/156-155

2۔ تونسوی، **کتاب النکاح والطلاق**، ص: 174

3۔ ایضاً

اکثریت تین حیض کی عدت کے قائل ہیں۔ باحث اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ حیض والی عورت کی عدت تین حیض ہے کیونکہ اکثریت علماء ایسے ہیں جو اسی کے قائل ہیں۔

مطلقہ کی عدت، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر نہا نہ لے، اس وقت تک طلاق بائن نہ ہو گی اور شوہر کو رجوع کا حق باقی رہے گا۔ حضرت ابو بکر، عمر، علی ابنِ عباس، ابو موسیٰ اشعری، ابنِ مسعود اور بڑے بڑے صحابہ کرام کی یہی رائے ہے اور فقہاء حنفیہ نے اسی کو قبول کیا ہے، بخلاف اس کے دوسری جماعت کہتی ہے کہ عورت کو تیسری بار حیض آتے ہی شوہر کا حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ رائے حضرت عائشہ، ابنِ عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی ہے اور فقہائے شافعیہ ومالکیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر واضح رہے کہ یہ حکم صرف اس صورت سے متعلق ہے، جس میں شوہر نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ تین طلاقیں دینے کی صورت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے (1)

باحث یہ سمجھا کہ حیض والی عورت کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ مولانا مودودیؒ نے مذکورہ بحث اس کی تائید میں صحابہٴ کرام کا ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں ہیں کہ ایسی عورت کی عدت تین حیض ہے۔ اسی طرح دیگر کئی علماء کے نزدیک جس عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ہونے کی صورت میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔

مطلقہ کی عدت سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرین وفقہاء نے طلاق یافتہ عورت کی عدت کے متعلق یہ آیت بطور دلیل پیش کی ہے اور اسے اپنے اپنے فہم کے مطابق سمجھا ہے وہ آیت یہ ہے:

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 174۔ 173

﴿ وَالۡمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ ﴾ [1]

ترجمہ:(جن عورتوں کو طلاق دی گئ ہو،وہ تین ایامِ مرتبہ ایامِ ماہواری آنے تک اپنے آپ کوروکے رکھیں) [2]

عطاری صاحب اور اکثریت علماء وفقہاء کی رائے ہے کہ طلاق یافتہ عورت کی عدت تین حیض ہے۔جیسا کہ محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اسی وقت کسی اور سے نکاح کرلے جیسا کہ یہود کے ہاں رواج تھا،بلکہ اس کے حکم میں یہ عورت تین حیض تک انتظار کرے۔ [3]

جبکہ مولانا مودودیؒ نے طلاق یافتہ عورت کی عدت کے حوالے سے دو آراء کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے ایک رائے صحابہ کرام اور دیگر فقہاء کی ہے جن کے نزدیک طلاق یافتہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور دوسری رائے یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق یافتہ عورت کی عدت تین طہر ہے۔ [4]

اس مسئلے میں عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے دونوں کے پاس دلیل ہے۔قارئین دلائل کے پیشِ نظر قوی رائے کو قبو کرسکتے ہیں۔

بیوہ کی عدت،صرط الجنان کے مباحث کی روشنی میں:

بیوہ ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند فوت ہو جائے،بیوہ کی عدت سے چار ماہ دس دن مقرر ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

1۔البقرہ:228

2۔مودودی، **تفہیم القرآن**،ص:1/ 173۔172

3۔الازہری،**ضیاء القرآن**،ص:1/156۔155

4۔مودودی، **تفہیم القرآن**،ص:1/174۔173

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ (1)

ترجمہ:(تم میں سے جو لوگ مر جائیں،اُن کے پیچھے اگر بیویاں زندہ ہوں، تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے، دس دن تک روکے رکھیں) (2)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب لکھتے ہیں: اس آیت میں فوت شدہ مرد کی بیوی کی عدت کا حکم آیا ہے کہ فوت شدہ کی بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب شوہر کا انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہوا ہو رونہ عورت عدت کے 130 دن پورے کرے گی۔(3)

اس استدلال کی تائید علامہ سعیدیؒ کی رائے سے ہوتی ہے، کہ واضح رہے کہ طلاقِ عدت اور طلاقِ وفات میں ایام کو گننے کے لئے قمری تاریخوں کا حساب رکھنا ہو گا۔(4)

فوت شدہ کی بیوی کی عدت کا حکم حدیث سے بھی ثابت ہے۔

امام بخاری روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَقُوْلُ: لَا يَحِلَّ لِإمْرأَة تُؤمِنُ بِاللهِ وَالْيَومِ الآخِرِ تحد عَلَى مَيتٍ فَوق ثَلاثٍ إلا على زَوجٍ اَربَعَة اَشهُرٍوَعَشْر)) (5)

ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اسے حلال نہیں کہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر پر کہ چار مہینے دس دن سوگ کرے)

1۔البقرہ:234

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/179

3۔ایضاً

4۔سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:12/60

5بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب: حد المراة على غير زوجها ، ح:1281

عدت کے شرعی مسائل:

شوہر کی وفات کی عدت ہو یا طلاقِ بائن کی عدت گزارنے والی دورانِ عدت نہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور نہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے خواہ زیور سے کرے یا رنگین یا ریشمی کپڑوں سے، خوشبو، تیل اور مہندی وغیرہ سے۔ اگر کوئی عورت عدت کی پابندی پوری نہ کرے تو جو اسے روکنے پر قادر ہے وہ روکے اگر نہیں روکے گا تو گنہگار ٹھہرے گا۔ لیکن جو عورت طلاقِ رجعی عدت میں ہو اس کو زینت اور سنگار کرنا مستحب ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے مرد اپنی بیوی کی طرف مائل ہو جائے اور دونوں پھر سے ایک احسن زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جائیں۔ وفات کی عدت گزارنا بیوی پر مطلقاً لازم ہے۔ اگر چہ وہ عورت جوان ہو، بوڑھی ہو یا نابالغہ ہو وغیرہ۔ [1]

اس حوالے سے محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں: سورۂ البقرہ کی آیت 234 میں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے خاوند فوت ہو جائیں اور وہ عورتیں حاملہ نہ ہوں تو ان عورتوں کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس کا صرف یہ مطلب نہیں کہ بیوہ عورت اس مدت میں نکاح نہ کریں بلکہ احادیثِ صحیحہ میں دوسری کئی چیزوں سے بھی پرہیز لازم ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ رنگین اور ریشمی لباس نہ پہنے، خوشبو نہ لگائے، مہندی اور دیگر ارائش سے اجتناب کرے۔ ضروری کام کی غرض سے دن کو باہر جا سکتی ہے البتہ رات اسی مکان میں ہی گزارے گی [2]

بیوہ عورت کی عدت کے احکام سے متعلق کئی احادیث ہیں: جیسا کہ حضرت امِ سلمہ کی روایت ہے:

((عَنْ اُمِّ سَلمَة قَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِنَّهُ قَالَ: "المتوفى عنها زَوْجَهَا لَا تلبس المعصفرمِنَ الثِّيَاب وَلَا الممشقَة وَلَا الحلي ولا تختضب وَلَا تكتحل)) [3]

ترجمہ: (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس عورت کا شوہر مر گیا ہے، وہ نہ کسی قسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنے اور نہ گیرو کا رنگا ہوا اور نہ زیور پہنے اور نہ مہندی لگائے اور نہ سرمہ)

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/ 410

2۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص: 1/ 163۔162

3۔ ابو داؤد، **سنن ابی داود**، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بابٌ فيما تجتنبه المعتدة في عدتها، ح: 2340

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ بیوہ عورت کے لئے عدت کے ندر رہتے ہوئے زینت و بناؤ سنگار کرنا جائز نہیں۔ ایک اور حدیث سے بیوہ عورت کو دوران عدت بناؤ سنگار کرنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث مندرجہ ذیل ہے:

امام ابو داؤد روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ اُمِّ عَطیَةَ اِنَّ النَّبي صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم قال:" لَا تحد المراة فَوق ثَلاثُ إلا عَلى زوج، فإنها تحد عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اشهر وَعَشرا، وَلَا تَلْبس ثَوبا مصبوغا إلا ثوب عصب ولا تكتحل ولا تمس طيبا إلا ادنى طهرتها إذا طهرت من محيضها بنبذة مِن قِسط اَو اظفَار)) [1]

ترجمہ: (حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت کسی میت پر بھی تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے سوائے شوہر کے، وہ اس پر چار مہینے دس دن سوگ منائے گی) اس عرصہ میں (وہ سفید سیاہ دھاری دار کپڑے کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا نہ پہنے، نہ سرمہ لگائے، اور نہ خوشبو استعمال کرے، ہاں حیض سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی سی قسط یا اظفار کی خوشبو) حیض کے مقام پر ستعمال کرے)

مذکور حدیث سے بھی یہ واضح اور معلوم ہو گیا کہ بیوہ عورت دورانِ عدت زیب وزینت سے پرہیز کرے۔

اس حوالے سے مفتی محمد قاسم عطاری کے فقہی استدلال کی تائید میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ کچھ اس طرح ہے: عدت دو طرح کی ہوتی ہے، عدت وفات، عدت طلاق، طلاق رجعی کی عدت میں عورت پر کوئی پابندی نہیں، البتہ طلاق بائنہ یا مغلظہ اور وفات کی عدت میں عورت پر ضروری ہے کہ درج ذیل امور سے اجتناب کرے، بناؤ سنگھار نہ کرے، چوڑیاں یا دیگر زیورات نہ پہنے، خوشبو نہ لگائے، پان کھا کر منھ لال نہ کرے، مہندی نہ لگائے، ریشمی، رنگے ہوئے اور پھول دار اچھے کپڑے نہ پہنے، بلاضرورت محض زینت کے لیے سر میں تیل نہ ڈالے، سرمہ نہ لگائے، چھوٹے دندانوں کی کنگھی نہ کرے، اسی طرح عدت میں عورت کے لیے گھر سے نکلنا جائز نہیں [2]

تجزیہ

طلاق رجعی کی صورت میں عورت کے لئے بناؤ سنگار کرنا مستحب ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مرد اس کی طرف مائل ہو جائے اور دونوں پھر سے ایک احسن زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جائیں البتہ طلاق بائن یا

1۔ ابو داؤد، **سنن ابی ابو داؤد**، کتاب الطلاق، بابٌ فِيمَا تَجْتَنِبُهُ الْمُعْتَدَّةُ فِي عِدَّتِهَا ح:2340

2۔ دارالعلوم دیوبند، **عورتوں کے مسائل**، سوال نمبر:58558

خاوند کے فوت ہونے پر عورت عدت کے دوران نہ ہی گھر کے باہر جا سکتی ہے اور نہ ہی بناؤ سنگار کر سکتی ہے کیونکہ احادیث میں اس چیز کی ممانعت ہے۔ میری ذاتی رائے بھی اس سے متفق ہے کیونکہ طلاق بائن کی وجہ سے عورت مرد کے نکاح سے نکل جاتی ہے اور جو عورت نکاح سے نکل جائے وہ عدت بھی مرد کے گھر میں گزارے گی اور وہ عورت بغیر نکاح کے پہلے خاوند کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اب عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر وہ اسی شوہر کے نکاح میں لوٹنا چاہتی ہے پھر اسے تجدید نکاح کرنا ہو گا۔

بیوہ کی عدت، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں:

بیوہ کی عدت چونکہ آیت سے ہی ظاہر ہے کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ عام حکم ہے جیسا کہ مولانا مودودی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: سورۂ البقرہ کی آیت 234 میں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے شوہر فوت ہو جائیں اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ عدتِ وفات ان عورتوں کے لئے بھی ہے جن سے خلوتِ صیحہ نہیں ہوئی ہو۔ البتہ حاملہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔[1]

مولانا مودودیؒ شوہر کی وفات پر عدت کے اندر رہتے ہوئے عورت کا بناؤ سنگار کرنا اور عدت گزارنے کے حوالے سے دو جماعتوں کی آراء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اپنے آپ کو روکے رکھیں سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس مدت میں نکاح نہ کریں، بلکہ اس سے مراد اپنے آپ کو زینت سے بھی روکے رکھنا ہے۔ چنانچہ احادیث میں واضح طور پر احکام ملتے ہیں کہ زمانۂ عدت میں عورت کو رنگین کپڑے اور زیور پہننے سے، مہندی اور سُرمہ اور خوشبودار اور خضاب لگانے سے، اور بالوں کی آرائش سے پرہیز کرنا چاہیے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دورانِ عدت عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے یا نہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم میں سے حضرت عمر، عثمان، ابنِ عمر، زید ثابت، ابنِ مسعود، اُمِ سلمہ، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، محمد بن سیرین اور ائمہ اربعہ رحمھم اللہ کے نزدیک زمانۂ عدت میں عورت کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں اس کے شوہر نے وفات پائی ہو۔ دن کے وقت کسی حاجت سے عورت باہر جا سکتی ہے، مگر قیام اُسی گھر میں ہونا چاہیے۔[2]

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 179

2۔ ایضاً، ص:181۔180

اس کے برعکس حضرت عائشہ، ابنِ عباس، حضرت علی، حضرت جابر بن عبد اللہ عطاء، طاؤس، حسن بصری، عمر بن عبد العزیز اور تمام اہل الظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ عورت اپنی عدت کا زمانہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے اور اس زمانے میں سفر بھی کر سکتی ہے۔[1]

بیوہ کی عدت سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل:

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں مذکورہ بحث میں چند مسائل اخذ ہوئے ہیں ایک یہ کہ بیوہ کی عدت، دوسرا یہ کہ دورانِ عدت عورت کے لئے پابندیوں کے حوالے سے احکام، ذیل میں بالترتیب ان کو بیان کیا جارہاہے۔

1۔بیوہ کی عدت کا حکم:

بیوہ کی عدت کے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ اور دیگر مفسرین وفقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، جیسا کہ قرآن کی نص سے ہی واضح ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾[2]

ترجمہ: (اور تم میں سے جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں)[3]

اس سے معلوم ہوا کہ صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے تناظر میں بیوی کی عدت کے حکم میں مشترک پہلو ہے یعنی کہ بیوہ کی عدت 4 ماہ دس دن ہے۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 181۔180

2 ۔البقرہ:234

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/ 409

2۔ عورت کا عدت گزارنا:

عورت کا عدت گزارنا اور دورانِ عدت عورت کا گھر سے نکلنا، اس میں محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے۔

صراط الجنان کی روشنی میں عورت فوت شدہ خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے گی اور عورت بغیر وجہ کے گھر سے باہر نہیں جاسکتی جس کی تائید مذکورہ بحث میں علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں ہوتی ہے کہ اس دوران عورت گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔

جیسا کہ دورِ حاضر کے جید عالمِ دین ومفتی محمد منیب الرحمٰن لکھتے ہیں:

"عدت کے دنوں عورت کو اپنے گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے"[1]

مفتی منیب الرحمٰن اس حکم کا استدلال اس آیت سے کرتے ہیں:

﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ﴾[2]

ترجمہ (زمانہ عدت میں نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں)[3]

مفتی منیب الرحمٰن اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اس آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے جو عدت گزار رہی ہیں اور بیوہ ہیں اس لیے کسی ضرورت کے تحت انہیں دن کے وقت گھر سے نکلنا پڑ جائے تو شام سے پہلے لوٹ آنا چاہیے۔[4]

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ نے دو جماعتوں کی آراء کو سامنے رکھا ہے ایک کے نزدیک عورت جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور دورانِ عدت عورت گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے اور سفر بھی کرسکتی ہے اور اس حوالے

1۔ محمد منیب الرحمٰن،۔ **تفہیم المسائل**، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2001ء) ص: 1/307

2۔ الطلاق: 1

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص: 5/563

4۔ منیب الرحمٰن، **تفہیم المسائل**، ص: 1/308

سے باحث کو اقوال نہیں ملے جبکہ ایک جماعت کے نزدیک دوران عدت عورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی، البتہ انتہائی ضروری کام کی غرض سے گھر سے باہر جا سکتی ہے البتہ انتہائی ضروری کام کی غرض سے گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن رات اسی گھر میں گزارے گی اسی طرح دورانِ عدت عورت سفر وغیرہ بھی نہیں کر سکتی جیسا کہ یہ بحث اوپر گزر چکی ہے الغرض مولانا مودودی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ لہذا اس حوالے سے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کا مؤقف مختلف ہے۔ قارئین دلائل اور استدلال کی روشنی میں قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

حیض سے مایوس عورتوں کی عدت، صراط الجنان کے مباحث کی روشنی میں

وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہیں آیا یا کسی وجہ سے حیض سے مایوس ہو چکے ہیں ان کی عدت تین ماہ ہے، جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾ [1]

ترجمہ: (اور تمہاری عورتوں میں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی اور جنہیں حیض نہیں ان کی عدت تین مہینے ہے)[2]

عطاری صاحب مذکورہ آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا کہ حیض والی عورتوں کی عدت کا تو ہمیں تہ چل گیا لیکن جو حیض والی نہ ہوں تو ان کے لیے کیا عدت ہو گی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تمہاری عورتوں میں جو بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے نااُمید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہے کہ ان کا کیا حکم ہے تو سن لو، ان کی اور جنہیں ابھی کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آیا ان کی عدت تین مہینے ہے۔[3]

1۔ الطلاق:4

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 403

3۔ ایضاً

عطاری صاحب آیت کی مناسبت سے شرعی مسائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بڑھاپے کی وجہ سے جب حیض منقطع ہو جائے وہ سنِ ایاس ہے اور اس عمر میں پہنچی ہوئی عورت کی عدت تین ماہ ہے، اسی طرح لڑکی نابالغہ ہو یا اس کے بالغہ ہونے کی عمر تو آ گئی مگر ابھی حیض نہیں آیا تو ان دونوں کی عدت تین ماہ ہے" (1)

حیض سے مایوس عورتوں کی عدت، تفہیم القرآن کے مباحث کی روشنی میں

مولانا مودودیؒ ایسی عورتوں کی عدت میں لکھتے ہیں: یہ ان عورتوں کی عدت کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعی بند ہو چکا ہو اور کبرِ سنی (بڑھاپے کی عمر کی وجہ سے) وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں، ان کی عدت اس روز سے شمار ہو گی جس روز انہیں طلاق دی گئ ہو اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئ ہو تو باالاتفاق رویتِ ہلال کے لحاظ سے عدت شمار ہو گی۔ (2)

حیض سے مایوس عورتوں کی عدت سے متعلق علماء کی آراء کا جائزہ:

حیض سے مایوس عورتوں کی عدت کے متعلق علماء کی آراء ذیل میں بیان کی گئ ہیں۔

1۔ مولانا محمد امجد علی اعظمیؒ کے نزدیک ایسی عورت جس کو حیض نہیں آتا اور ابھی ایسے سن کو نہیں پہنچی یا سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہے یا عمر کے حساب سے بالغہ بھی ہو چکی ہو لیکن حیض نہیں آیا تو اس صورت میں ایسی عورت کے تین ماہ عدت ہے۔ (3)

2۔ عصرِ حاضر کے جید عالمِ دین مولانا محمد شبیر قادری رقمطراز ہیں: ایسی عورت جسے سنِ رسیدگی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو تو اسے آئسہ کہا جاتا ہے اور اس کی عدت تین ماہ ہے۔ (4)

محمد شبیر قادرری اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/403

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:5/569

3۔ اعظمی، **بہارِ شریعت**، ص:2، حصہ 7 تا 13/234

4 . https//thefatwa.com/9th August, 2016

﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾ [1]

ترجمہ:(اور تمہاری عورتوں میں جو حض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی اور جنہیں حیض نہیں ان کی عدت تین مہینے ہے)[2]

3۔ مفتی طارق مسعود کے نزدیک ایسی عورت جس کی عمر اس قدر ہو چکی ہے کہ اب حیض نہیں آتا تو مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسی عورت کے لئے عدت تین ماہ ہے۔[3]

مذکورہ بحث کی روشنی میں اہم بات یہ ہے کہ عدت شریعتِ اسلامیہ کا حکم ہے جسے طلاق کے بعد ایک عورت کے لئے لازماً گزارنا ہوتی ہے۔ اس کی صورتیں مختلف ہیں جنہیں بالترتیب صراط الجنان اور تفہیم القرآن اور دیگر فقہاء وجید علماء کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسے آئسہ کی عدت تین ماہ ہے۔ اور سب علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ﴾ [4]

ترجمہ:(اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کائی شک لاحق ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ان کی عدت تین مہینے ہے۔)[5]

عورت کے عدت گزارنے میں بڑی حکمت استبرائے رحم ہے کہ آیا عورت کو حمل ہے یا نہیں اور یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ بچے کے نسب میں اختلاط نہ ہو یعنی کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ پس مذکورہ علماء کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ حیض سے مایوس عورتوں کی عدت تین ماہ ہے، لہٰذا محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اس حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا۔

1۔ الطلاق:4

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/403

3۔ مفتی طارق مسعود، مسائل کا حل، چینل، ستمبر 2020ء

4۔ الطلاق:4

5۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:5/569۔568

فصل سوم

سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل و احکام کا ربط

قرآن مجید میں مذکور مسائل و احکام کو سمجھنے کے لیے ہر مفسر نے اپنے اپنے فقہی انداز میں ہر سورۃ کا کسی سورت کے ساتھ ربط قائم کیا ہے تا کہ ان مسائل و احکام کو سمجھنے میں آسانی ہو، جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ نے سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل کا دو مختلف سورتوں سورۂ التغابن اور سورہ البقرہ سے ربط قائم کیا ہے اور وجہ بھی بیان کی ہے، سب سے پہلے صراط الجنان کے تناظر میں یہ بحث کی جارہی ہے۔

اس حوالے سے عطاری صاحب نے سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل کو اپنی فہم کے مطابق تغابن سے ربط قائم کیا۔ عطاری صاحب نے سورۂ طلاق میں بیان کردہ مسائل کو سورہ "تغابن" سے نسبت دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ تغابن میں فرمایا گیا ہے کہ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں، بیویوں کی دشمنیوں کے باعث بعض اوقات معاملہ طلاق تک جا پہنچتا ہے اور اولاد کی دشمنی سے انسان بعض واوقات اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اولاد پر مال خرچ نہیں کرتا، اس لئے قرآن مجید میں سورۂ تغابن کے بعد سورۂ طلاق رکھی گئی ہے اس میں طلاق کے مسائل و احکام، اولاد اور مطلقہ عورتوں پر مال خرچ کرنے کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔[1]

باحث کی ذاتی رائے مفسر کی فقہی استدلال سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ سورۂ تغابن کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس سورت میں مردوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ تمہاری بیویوں میں سے کچھ ایسی بھی ہیں اور اولاد میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ تمہارے دشمن ہیں۔ تو ظاہر سی بات ہے دشمنی میں بہت سے معاملات درست نہیں رہتے اور طلاق کی وجہ سے مرد مطلقہ بیوی اور اولاد پر مال خرچ کرنا بند کر دیتا ہے۔ سورۂ طلاق کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مردوں کو طلاق یافتہ عورتوں کی معاونت اور اولاد پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 194

عطاری صاحب کے اس استدلال کی تائید علامہ سعیدیؒ کی تفسیر تبیان القرآن" سے ہوتی ہے، اس حوالے سے علامہ سعیدیؒ سورۂ تغابن کی آیت 14 کا سہارا لیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَ اَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡھُمۡ ﴾ [1]

ترجمہ: (اے ایمان الو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو)[2]

عطاری صاحب اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ بیویوں کی عداوت بعض اوقات طلاق تک پہنچا دیتی ہے اور اولاد کی عداوت بعض اوقات اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ انسان اپنی اولاد پر مال خرچ کرنا بند کر دیتا ہے، پس قرآن مجید میں سورۂ تغابن کے بعد سورۂ طلاق کو رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں مطلقہ عورتوں اور اولاد پر مال خرچ کرنے کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

سورۂ التغابن کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّھَادَۃِ﴾ [3]

ترجمہ (اللہ حاضر اور غائب ہر چیز کو جانتا ہے، زبردست اور دانا ہے) [4]

باحث اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ کہ مذکورہ جو بحث گزری اس حوالے سے اس آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ انسان جو عمل بھی کرتا رہے وہ سب اللہ کے علم میں ہے چاہے وہ مخفی ہو یا کہ اعلانیہ، اس لئے مرد کو ڈرنا چاہیے اور وہ مطلقہ بیوی کی ضروریات کا خیال رکھے اور اپنی اولاد کو سہولیات بہم پہنچائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ طلاق کے آخر میں ارشاد فرمایا:

1۔ التغابن:14

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/188۔187

3۔ التغابن:18

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:5/547

﴿وَاَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا﴾ [1]

ترجمہ:(اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے)[2]

باحث نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ وہ کھلم کھلا انصافی کرتا پھرے اور اپنی مطلقہ بیوی اور اولاد کے ضروریات کو پورا کرنے میں کوتاہی کرتا پھرے ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کی گرفت میں آجائے کیونکہ اللہ کو انسان کے اعمال کا علم ہے کہ انسان کے اعمال کا علم ہے۔

مذکورہ آیات کے ضمن میں غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: اسی طرح سورۂ تغابن اور سورۂ طلاق دونوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور عموم کو بیان فرمایا ہے۔[3]

جبکہ مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ سورۂ الطلاق کا ربط سورۂ بقرہ سے ہے کیونکہ سورۂ طلاق کے احکام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے ان ہدایات کو پھر سے ذہن نشین کر لیا جائے جو طلاق اور عدت کے متعلق اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی ہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آتا ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾ [4]

ترجمہ: (طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے) [5]

مذکورہ بحث میں باحث جس طرح عطاری صاحب کے فقہی استدلال سے اتفاق کرتا ہے اور وجہ بھی بتائی ہے اسی طرح مذکورہ بحث میں باحث مولانا مودودیؒ کے فقہی استدلال سے بھی اتفاق کرتا ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں طلاق کے جو مسائل و احکام بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل کی جھلک سورۂ طلاق میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

1۔ الطلاق:12

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 211

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، ص:12/ 43

4۔ البقرۃ:229

5۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 174

مولانا مودودیؒ کی رائے کی تائید میں محمد کرم شاہ" ضیاء القرآن " میں لکھتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی وہ آیات جن میں طلاقِ عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں، ان آیات کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ محمد کرم شاہ کہتے ہیں کہ عائلی زندگی سے متعلق کئی مسائل ایسے رہ گئے تھے جن کے جوابات مطلوب تھے اور ان احکامات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت تھی تا کہ عمل کرنے والے منشائے الٰہی کے مطابق ان پر عمل کر سکیں، اس سورت (طلاق) کو نازل فرما کر گویا اس خلا کو پُر کر دیا گیا۔[1]

مذکورہ بحث کا تجزیہ

مختلف مسائل و احکام کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید میں جہاں دیگر مسائل و احکام کا مختلف سورتوں سے ربط قائم کیا گیا ہے وہاں عائلی مسائل و احکام کا بھی مختلف سورتوں سے ربط قائم کیا گیا ہے تا کہ ایک قاری کو ان مسائل وا حکام سے مکمل آگاہی ہو جائے اور اس کام کے لئے مفسرین نے بہت محنت کی۔

سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل و احکام سے متعلق، صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

عطاری صاحب نے سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل (اولاد اور طلاق یافتہ عورت پر مال خرچ کرنے کا حکم) کا ربط سورۂ تغابن سے قائم کیا ہے کیونکہ سورۂ تغابن میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾[2]

ترجمہ: (اے ایمان الو! بیشک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو)[3]

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**،، ص:5/ 272۔271

2۔ التغابن:14

3۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:10/ 18188۔187

باہمی دشمنی کے باعث انسان بعض واوقات اپنی اولاد اور مطلقہ عورت پر مال خرچ نہیں کرتا اور سورۂ طلاق میں اولاد اور طلاق یافتہ عورت پر مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے مذکورہ آیت کو بنیاد بنا کر عطاری صاحب کے فقہی استدلال کی تائید کی ہے۔ باحث سے جتنی تحقیق ہو سکی اس کے مطابق عطاری صاحب کے مذکورہ بحث کی تائید علامہ سعیدیؒ کی رائے سے ہوتی ہے اس طرح مولانا مودودیؒ کے فقہی استدلال کی تائید بھی ایک ہی مفسر سے ہوئی ہے جسے آنے والی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری طرف جبکہ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل کا ربط سورۂ بقرہ سے قائم کیا ہے کہ سورۂ بقرہ میں طلاق کے جو احکام و مسائل بیان ہوئے ہیں ان کو سورۂ طلاق میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ محمد کرم شاہؒ ان کی تائید میں لکھتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں طلاقِ عدت کی آیات نازل ہونے کے بعد سورۂ طلاق نازل ہوئی اور سورۂ بقرہ میں جو مطلوبہ جوابات رہ گئے تھے انہیں سورۂ طلاق میں بیان کر دیا گیا ہے [1]

سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل و احکام سے ربط کے حوالے سے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک اختلاف پایا جاتا ہے اور دونوں کی رائے کو دیگر مفسرین کی تائید بھی حاصل ہے۔ قارئین دیگر علماء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص:5/272۔271

باب چہارم

خلع سے متعلق صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے مباحث کا تقابل

فصل اول: خلع کی وجوہات کے متعلق احکام

فصل دوم: خلع کی حیثیت بطور طلاق یا فسخ

فصل سوم: شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتیں

فصل اول

خلع کی وجوہات سے متعلق احکام

شریعتِ اسلامیہ نے جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے اسی طرح عورت بھی خلع [1] کا مطالبہ کر سکتی ہے۔بشرط یہ کہ اس میں مرد کی رضامندی شامل ہو۔ دوسرا یہ کہ خلع کا مطالبہ اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب زوجین کے مابین گھریلو ناچاقیاں اس قدر بڑھ جائیں کہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں یا عورت خاوند کو پسند نہ کرتی ہو جہاں کسی سبب سے عورت خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے وہاں بغیر سبب کے عورت کو خلع کا مطالبہ کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ جب زوجین کے مابین معاملات بگڑ جائیں تو شریعتِ اسلامیہ نے زوجین کے مابین صُلح کرانے کے لئے دونوں خاندان کے ایک ایک مُنصف مقرر کرنے کی بھی تلقین کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ خداوند ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهِ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾ [2]

ترجمہ:(اور اگر تم کو میں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک مُنصف مرد کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک مُنصف عورت کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو یہ دونوں صُلح کرانا چاہیں گے تو اللہ اُن کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا، خبردار ہے) [3]

اسلام ایسا دین ہے جو زوجین کے مابین جھگڑے کی وجہ سے فوری جدائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس معاملے کو سلجھانے کا حکم دیتا ہے، اگر معاملات صحیح نہ ہوں پھر جدائی کا حکم دیتا ہے۔

1 ۔ خلع سے مراد یہ ہے کہ جس میں عورت کسی وجہ سے مال کے ذریعے باہمی رضامندی سے شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔اگر شوہر مال قبول کر کے طلاق نہ دے پھر معاملہ عدالت میں جائے گا اور قاضی تفتیش کے بعد عورت کے حق ہونے پر فیصلہ اس کے حق میں دے گا۔

2۔النساء:35

3۔عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/223

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر یا خاندان والوں کو میاں بیوی کی ناچاکی کی وجہ سے گھر ٹوٹنے کا خدشہ ہونے لگے تو ان کے گھر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے مل جل کر دونوں میں صلح کی کوشش کریں اپنے خاندان کی نیک نامی کو سامنے رکھتے ہوئے، اور یہ موجودہ دور اس کی اشد ضرورت ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں عطاری لکھتے ہیں: جب بیوی کو سمجھانے کے باوجود اصلاح کا راستہ نظر نہ آتا ہو تو نہ مرد طلاق دینے میں جذباتی ہو اور نہ عورت خلع کے مطالبے پر اصرار کرے بلکہ دونوں کے خاندان کے خاص قریبی رشتہ داروں میں سے ایک ایک شخص کو بطور مُنصف منتخب کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ چونکہ رشتے دار ایک دوسرے کے خانگی معاملات اور ایک دوسرے کے مزاج سے سے واقف ہوتے ہیں اور ان سے اپنے دل کی بات کہنے میں کوئی جھجک بھی نہیں کرتے، یہ مُنصف مناسب طریقے سے ان کے مسئلے کا حل نکالیں گے اور اگر مُنصف زوجین کے مابین صُلح کروانے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کے مابین اتفاق پیدا کر دے گا، اس لئے حتی المقدور صُلح کے ذریعے اس معاملے کو حل کیا جائے لیکن اُنہیں میاں بیوی میں جُدائی کروانے کا اختیار نہیں۔[1]

اگر زوجین کے مابین معاملات اچھے نہ ہوں اور عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو تو زوجین کے فریقین کو ان کے مابین مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے اگر صُلح کی صورتِ حال نظر نہ آ رہی ہو تو پھر عورت کو یہ اختیار ہے کہ شوہر سے جدائی اختیار کر لے کیونکہ حدود اللہ کی حفاظت کے لئے شریعتِ اسلامیہ نے عورت کو خلع کے مطالبے کی اجازت دی ہے اور شرعی حدود کی حفاظت اول بات ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿اِلَّآ اَنۡ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ﴾[2]

ترجمہ: (البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حُدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حُدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/224-223

2۔ البقرۃ:229

کوئی مضائقہ نہیں) [1]

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر زوجین کے مابین معاملات اس قدر بگڑ جائیں اور دونوں کو یہ اندیشہ ہونے لگے کہ ایسی حالت میں اکٹھے رہنے سے اللہ کی حدود کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں جدائی کا راستہ اپنائیں مرد کی جانب خود کو زیادہ متاثر سمجھ رہی ہے تو مرد طلاق کے ذریعے راستہ اپنا سکتا ہے اور اگر عورت خود کو زیادہ متاثر سمجھ رہی ہے اور مرد کی طرف سے بھی اسے پیش رفت نظر نہیں آرہی تو اس کے لئے خلع راستہ ہے۔مذکورہ آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب خلع کی وجوہات کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:اگر زوجین کے مابین کسی سبب سے صورتِ حال اس قدر بگڑ جائے کہ دونوں کو اس بات کو خوف محسوس ہونے لگے تو پھر عورت مرد سے خلع لے اور اس کے بدلے عورت مال ادا کرے اس صورت کی اجازت ہے اور آیت میں جو فرمایا کہ عورت کے فدیہ میں کوئی حرج نہیں اس سے یہی صورت مراد ہے لیکن اس صورت میں بھی یہ حکم ہے کہ اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہے تو خلع میں مال لینا،مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو مال لینا درست ہے لیکن مہر کی مقدار سے زیادہ لینا پھر بھی ممکن ہ نہیں ہے۔ [2]

یہ آیت حضرت جمیلہ بنتِ عبد اللہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے خاوند حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ [3] سے کسی وجہ سے تفریق کے لئے مقدمہ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، جیسا کہ عطاری صاحب ذیل کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

امام بخاری روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ، ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ الله ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَمَا إِنِّي مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلاَ دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي

1۔مودودی، تفہیم القرآن،ص:1/ 175

2۔ایضاً

3 ۔آپ کا نام ثابت بن قیس بن شماس ہے۔آپ کی کنیت ابو محمد اور عبد الرحمن ہے۔آپ کے بیٹوں کو حرہ کے واقعہ میں شہید کیا گیا۔آپ انصار کے خطیب تھے۔آپ نے اُحد اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شرکت کی اور آپ کو جنگِ یمامہ میں 12ھ شہید کیا گیا۔(النمری، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ،الاستیعاب فی معرفة الأصحاب،(دار الجیل،بیروت،الطبعة الاول،1412ھ/1992ء ص:1/ 200)

الإِسْلاَمِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم! اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً)) [1]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنھما سے مروی کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہٗ کی زوجہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یارسول اللہ ﷺ! ثابت بن قیس کے اخلاق و دین کی نسبت مجھے کچھ کلام نہیں (یعنی ان کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور دیندار بھی ہیں) مگر اسلام میں کفرانِ نعمت کو میں پسند نہیں کرتی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا باغ (جو مہر میں تجھ کو دیا تھا) تو واپس کر دے گی؟ اس نے کہا ،ہاں: رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس سے فرمایا: باغ لے لو اور طلاق دے دو)۔

اس حدیث سے خلع کا ثبوت ملتاہے کہ اگر کسی وجہ سے عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو عورت اپنے شوہر کو مال دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے۔

قاری محمد حنیف خلع کے جواز میں لکھتے ہیں:

"شریعتِ مطہر میں جہاں شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رشتۂ ازدواج سے آزاد کر سکتا ہے، وہاں بیوی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر اس کے لیے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ازدواجی تعلق کو قائم رکھنا ممکن نہ رہے تو وہ اپنے آپ کو اس بندھن سے آزاد کرا سکے، قانونی اصطلاح میں یہ حق "خلع" کہلاتا ہے، "خلع" کے لیے لازمی ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو معاوضے کی یا حق مہر سے دستبردار ہونے کی پیشکش کرے اور شوہر اسے قبول کر لے، بہ الفاظِ دیگر خلع کے لیے زوجین کی باہمی رضامندی ضروری ہے اور خلع کے کیس میں شوہر کی غیر حاضری یا عدم رضا کی صورت میں یک طرفہ ڈگری کی شرعی طور پر کوئی حیثیت نہیں۔ [2]

اس حوالے سے مفتی منیب الرحمٰن لکھتے ہیں :

1۔ بخاری، **صحیح بخاری،** كِتَابُ الطَّلَاقِ ، بَابُ الخُلْعِ وكيف الطلاقُ فِيْهِ، ح:4273

2۔ محمد حنیف، **خلع کا موجودہ قانون ایک معاشرتی المیہ**۔ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان، 20، نومبر، 2020

شرعی طور پر خلع اس صورت جائز ہے جب عورت اپنے جذبات سے ایسے مغلوب ہو کہ اس عورت کے لئے اللہ کی حدود میں رہ کر شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے، یا کسی گناہ میں مبتلا ہو سکتی ہے تو اس صورت حال کے پیش نظر سورۂ بقرہ آیت 229 میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ عورت اپنا حق معاف کرے یا شوہر کو دے دے اور شوہر اس کے بدلے میں آزادی دے دے، شریعت کی اصطلاح میں یہ "خلع" کہلاتا ہے [1]

اگر کسی سبب سے بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو اور عورت کے خلع کے مطالبے پر شوہر رضامند نہیں تو پھر عدالت کے ذریعے اس معاملے کا حل نکالا جا سکتا ہے قاضی میاں بیوی دونوں کو عدالت میں طلب کرے گی اور قاضی دونوں کی بات غور سے سننے کے بعد فیصلہ صادر کرے گا، لیکن اگر عورت بذات خود عدالت میں جا کر بغیر کسی سبب کے طلاق کا مطالبہ کرے تو شریعت میں اس کی اجازت نہیں جیسا کہ مفتی محمد قاسم عطاری اس حوالے سے کچھ یوں لکھتے ہیں: طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طلاق کا اختیار نہیں رکھتا۔[2]

عطاری صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ﴾ [3]

ترجمہ: (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) [4]

یعنی کہ عورت کو طلاق صرف وہی مرد دے سکتا ہے جس کا اس عورت سے نکاح ہوا۔

عطاری صاحب اس حوالے سے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

ابن ماجہؒ روایت بیان کرتے ہیں:

1۔ منیب الرحمٰن، **تفہیم المسائل**، ص: 1/ 248

2۔ عطاری، **طلاق کے آسان مسائل**، ص: 11

3۔ البقرۃ: 237

4۔ قاسم عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/ 413

((عَن ابْنِ عَبَّاس قَال: أَتَى النَّبِي صلى الله عليهِ وَسَلَّمَ رَجُل فَقَالَ:يَارَسُوْلَ الله، إن سَيَّدِي زوجني امته وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يفرق بَينِي وَبينَهَا، قال: فَصَعد رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المنبر فِقَالَ:" يَأَ ايُهَا النَّاسُ مَا بَالَ أَحَدَكُمْ يزوج عَبْدَهُ امته، ثم يُرِيْدُ أَنْ يُّفَرِّقُ بينَهُماَ الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ)) (1)

ترجمہ:(حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا، اور اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے مالک نے اپنی لونڈی سے میرا نکاح کر دیا تھا، اب وہ چاہتا ہے کہ مجھ میں اور میری بیوی میں جدائی کرا دے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسل منبر پر چڑھے اور فرمایا” :لوگو! تمہارا کیا حال ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دیتا ہے، پھر وہ چاہتا ہے کہ ان دونوں میں جدائی کرا دے، طلاق کا مالک وہی ہے جو عورت سے جماع کرے)

آخر میں عطاری صاحب لکھتے ہیں:”اگر عدالت نے شوہر کے طلاق دیے بغیر یک طرفہ عورت کے حق میں فیصلہ کر کے طلاق دی تو طلاق تصور نہیں کی جائے گی“ (2)

یہ عام سی بات ہے کہ کوئی بھی معاہدہ ہو تو اگر فریقین میں سے کوئی ایک رضامند نہیں تو ہو معاہدہ ادھورا رہ جاتا ہے اسی طرح خلع بھی ایک معاہدہ ہے اگر فریقین میں سے ایک (خاوند) رضامند نہیں تو پھر کسی اور کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں چاہے وہ بذات خود عورت ہو، رشتہ دار ہو یا پھر قاضی ہو۔ ذیل میں اس حوالے سے مفتیانِ کرام کی آراء کو بیان کر کے تجزیہ کیا گیا ہے۔

اس حوالے مفتی طارق مسعود کہتے ہیں کہ: دورِ حاضر میں یک طرفہ عورت کے حق میں جو خلع کی ڈگری دی جا رہی ہے اس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں پایا جاتا کیونکہ اسلام نے نہ ہی عورت کو طلاق کا اختیار دیا ہے اور نہ ہی قاضی کو، اور جو اختیار ہیں قاضی حضرات ان کو عائد نہیں کرتے (3)

1۔ابنِ ماجہ، **سنن ابنِ ماجہ**، كِتَابُ الطلاقِ، بابٌ طلاقُ العبدِ، ح:2081،

2۔عطاری، **طلاق کے آسان مسائل**، ص:11

3۔طارق مسعود، **عدالتی خلع کی شرعی حیثیت**، پیج ٹی وی، (فتویٰ)، 2018ء

مفتی محمد اکمل قادر لکھتے ہیں کہ: عدالت کا یک طرفہ فسخ جسے عوام خلع کہتی ہے یہ بعض صورتوں میں نافذ ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں نافذ نہیں ہوتا بلکہ اکثر صورتوں میں نافذ نہیں ہوتا۔ دورِ حاضر میں اگر لڑکی عدالت میں خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو بعض وکلاء اس عورت کو ترکیب بتاتے ہیں کہ مرد پر طرح طرح کے الزام لگاؤ تو ایسی صورت میں خلع نافذ نہیں ہوتا، اور وہ عورت اسی مرد کے نکاح میں رہے گی [1]

مفتی ضیاء الدین کہتے ہیں کہ:

اگر عدالتی تنسیخ، جسے آج کل خلع کا نام دیا گیا ہے اس طرح ہو کہ اگر اس میں شرعی اصولوں کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا تو یہ قانونی طور پر تو ہو جائے گا لیکن شرعی اعتبار سے صحیح نہیں گا، جب شرعی اعتبار سے یہ درست نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کسی قسم کی طلاق نہیں ہوئی لہٰذا میاں بیوں کا نکاح بحال رہے گا [2]

اس سے پتہ چلا کہ بغیر شرعی اصولوں کے فسخِ نکاح کا کوئی تصور نہیں اور زوجین کا نکاح باقی رہے گا۔

دورِ حاضر میں اکثریت صورتِ حال یہ ہے کہ عورت بلا وجہ فسخِ نکاح [3] کے لئے عدالت کی طرف رجوع کرتی ہے اور بد قسمتی سے اسے خلع کا نام دے دیا جاتا ہے جسے شریعت نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے کیونکہ خلع میں میاں بیوی دونوں کا ایک معاہدہ ہوتا ہے اور عورت مال دے کر عورت سے آزادی حاصل کر لیتی ہے جبکہ فسخِ نکاح میں ایسی صورتِ حال نہیں پائی جاتی کیونکہ جو شخص کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف کرے تو حضور ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔

عطاری صاحب اس حوالے سے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

امام ابو داؤد روایت بیان کرتے ہیں کہ:

1۔ قادری، محمد اکمل، مفتی، **یکطرفہ فسخ نکاح کی حیثیت**، کیو ٹی وی،

2۔ مفتی ضیاء الدین، **عدالتی تنسیخ کی شرعی حیثیت**، فتویٰ، (لاہور، جامعہ اشرفیہ، پاکستان، جولائی 2020ء)

3۔ اس سے مراد عقدِ نکاح کو ختم کرنا ہے۔ یہ قاضی کے ذریعہ ہو گا۔ اس میں مرد کی رضامندی شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ عورت کے مطالبہ پر قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا۔ اس کے چند اسباب ہیں:۔ زوجین کے مابین کفو مناسب نہ ہو یا دونوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے یا کوئی اور عیب پایا جائے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ-قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِه وَسَلَّم لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا، أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِه)) (1)

ترجمہ:(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے)

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی بندہ کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف کر دے تو پھر زوجین کے مابین رکاوٹیں کھڑی ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور زوجین کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے شوہر کے خلاف بھڑکانے والے کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص ہم میں نہیں۔

خلع باہمی رضامندی سے جدائی کو کہتے ہیں۔اگر عورت کسی سبب سے شوہر کے ساتھ رہنے میں راضی نہیں تو عورت بطور مال کے خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور مرد اس مال کو قبول کر کے اس عورت کو طلاق دے دے ہو گا لیکن بلاوجہ خلع کے مطالبے کو اسلام ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسا کہ دورِ حاضر میں عدالتیں یکطرفہ فسخِ نکاح کی ڈگری جاری کرتی ہیں جسے آج کل خلع کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف عمل ہے لہٰذا ایسا نکاح فسخ نہیں ہو گا اور میاں بیوی کا نکاح برقرار رہے گا۔

خلع کا بیان فقہاء کی روشنی میں

خلع کے متعلق احکام کو فقہاء کے اقوال اور ان کے فقہی استدلال کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔امام سرخسی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "المبسوط"لکھتے ہیں:یعنی خلع حاکم و غیر حاکم دونوں کے پاس جائز ہے ،اس لیے کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جس کی ساری بنیاد باہمی رضامندی پر ہے۔ (2)

امام سرخسیؒ کی اس تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ خلع باہمی رضامندی سے ہی ممکن ہے۔

1۔ابو داؤد،**سنن ابو داؤد**،كِتَابُ الطَّلَاقِ، بابٌ فيمن خبب امرأة عَلَى زوجها،ح:2175

2۔السرخسی،**المبسوط**،ص:6/173

2۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "کتاب الام" میں لکھتے ہیں:

((اَلخُلع طَلاَق فَلاَ یَکُوْن لِاَحَد أن یطلق عَن أحد لاأب وَ لَا سیدولا وَلِی وَلَا سُلْطَان)) [1]

ترجمہ: (یعنی خلع طلاق کے حکم میں ہے، لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے نہ باپ کو یہ حق ہے، نہ آقا کو، نہ سرپرست کو، نہ حاکم کو)

امام شافعیؒ کی اس تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ خلع چونکہ طلاق کے حکم میں ہے اور شوہر کی رضامندی سے ہی خلع ممکن ہے۔

ابو الولید باجی مالکی رحمہ اللہ "موطا امام مالک" کی شرح میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

"یعنی عورت کو شوہر کے پاس جانے پر مجبور کیا جائے گا، اگر شوہر خلع وغیرہ کے ذریعے علیحدگی نہ چاہتا ہو"[2]

3۔ ابو الولید باجی کی مذکورہ تصریح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر زوجین کے مابین کسی سبب سے اختلاف ہو جائے تو عورت کو اس طرف مائل کیا جائے کہ وہ شوہر کے پاس جائے اور دونوں کو قریب ہونے کی کوشش کی جائے۔

4۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ "مغنی ابنِ قدامہ" میں کچھ یوں لکھتے ہیں یعنی اس لیے کہ خلع عقد معاوضہ ہے، اس کے لیے حاکم کی ضرورت نہیں، جیسا کہ بیع اور نکاح میں حاکم کی ضرورت نہیں، نیز اس لیے کہ خلع باہمی رضامندی سے عقد کو ختم کرنے کا نام ہے۔[3]

1۔ الشافعی، **کتاب الام** ص:5/200

2۔ محمد حنیف، **خلع کا قانون**، ایک معاشرتی المیہ،

3۔ ایضاً

علامہ ابن قدامہؒ کی اس تصریح سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ خلع ایک معاہدے کا نام ہے جو میاں بیوں دونوں کی طرف سے ہوتا ہے۔

دورِ جدید کا مغربی تصور یہ ہے کہ جس طرح شوہر اپنی بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی بھی شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع لے سکتی ہے۔ پاکستان میں موجودہ خلع کے قانون کی عمارت اسی بنیاد پر استوار کی گئی ہے،[1]

خلاصۂ بحث

صراط الجنان کی روشنی میں دیگر مفسرین کے اقوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خلع کی وجوہات کے متعلق جو بیان گزرا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلع زوجین کے مابین ایک معاہدہ ہے۔ اس کا اختیار عورت کو دیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ مرد مال کے ذریعے عورت کی علیحدگی پر رضامند ہو جائے لیکن یہ اختیار عورت اس وقت استعمال کر سکتی ہے جب زوجین کا اکٹھا رہنا ممکن نہ ہو اور دونوں کو حدود اللہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو۔ اگر کسی سبب سے عورت خاوند کے پاس نہ رہنا چاہے اور مرد عورت کے خلع کے مطالبے پر رضامند نہیں تو پھر عورت کو اختیار ہے کہ عدالت سے رجوع کرے اور قاضی مرد وعورت دونوں کو طلب کرے، پھر معاملے کی چھان بین کے بعد اصولوں پر فیصلہ کرے۔ اگر عورت بلاوجہ خلع کا مطالبہ کرے تو ایسے مطالبے کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے جیسا کہ مذکورہ بحث میں احادیث سے واضح ہو گیا ہے۔ اسی طرح اگر عدالتیں یکطرفہ فسخِ نکاح کی ڈگر جاری کرے تو شریعتِ اسلامیہ میں ایسا کوئی تصور نہیں۔

مولانا مودودیؒ خلع کی وجوہات سے متعلق کچھ یوں لکھتے ہیں کہ:

اگر عورت کسی سبب سے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو زوجین کے مابین گھر میں ہی کچھ معاملہ طے ہو جائے، تو جو کچھ طے ہوا ہو، وہی نافذ ہو گا، لیکن اگر فیصلہ عدالت میں جائے تو عدالت اس امر کی تفتیش کرے گی کہ یہ عورت اپنے شوہر سے اس قدر متنفر ہو چکی ہے کہ اُس کے ساتھ اس کا گزارا نہیں ہو سکتا، تحقیق ہو جانے کے بعد عدالت کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو فدیہ چاہے، وہ تجویز کرے اور اس فدیے کو قبول کر

1۔ محمد حنیف، **خلع کا قانون**، ایک معاشرتی المیہ

کے شوہر کو اسے طلاق دینا ہوگی۔ بالعموم فقہاءنے اس کو قبول نہیں کیا ہے کہ جو مال شوہر نے عورت کو دیا ہو اس کی واپسی سے بڑھ کر کوئی فدیہ اسے دلوایا جائے۔[1]

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب "حقوق الزوجین" میں مذکورہ آیت سے اخذ ہونے والے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ایک یہ خلع ایسی صورت میں ہونا چاہیے جب کہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ خلع طلاق کی طرح بُری چیز ہے، لیکن جب یہ اندیشہ ہو کہ حدود اللہ ٹوٹ جائیں گی پھر خلع لینے میں حرج نہیں۔ دوسرا یہ کہ جب عورت عقدِ نکاح سے آزاد ہونا چاہے تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنا پڑتی ہے۔ اگر عورت جدائی کی خواہش کرے تو وہ اس مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کر کے جدا ہو سکتی ہے جو شوہر نے اس سے لیا تھا۔ تیسرا یہ کہ عورت کے لئے محض فدیہ دینا کافی نہیں بلکہ مرد رضامند بھی ہو، یعنی یہ کہ عورت مال دے کر آپ سے آپ علیحدہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مرد وہ مال قبول کر کے اس طلاق دے چوتھا یہ کہ خلع کے لئے صرف اس قدر کافی ہے عورت اپنا پورا یا اس کا پورا یا اس کا ایک حصہ پیش کر کے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور مرد اس کو قبول کر کے طلاق دے دے۔[2]

اس سے پتہ چلا کہ نازک معاملے کی بناء پر خلع کی اجازت ہے اور خلع میں عورت اس مرد کو مال دے کر جدا ہو گی اور مرد مال قبول نہ کرے پھر عدالت میں قاضی فیصلہ کرتے گا۔

مولانا مودودیؒ نے جو خلع کی وجوہات سے متعلق بحث کی ان کی تائید دیگر علماء کی آراء سے ہوتی ہے جیسا کہ وہ آراء صراط الجنان کی بحث میں گزر چکی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے خلع عورت کی طرف سے اور خاوند کی رضامندی سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو وہ کچھ مال شوہر کو دے اور شوہر وہ مال قبول کر کے اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اگر بلاوجہ عورت خلع کا مطالبہ کرے تو ایسا کرنا احادیث میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگر شوہر عورت کے خلع کے مطالبے پر رجامندی نہیں پھر خلع نہیں ہو سکتا اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ اپنا مقدمہ عدالت میں درج کرائے اور قاضی زوجین کو طلب کرے گا اور غور فکر سے سماعت کرنے کے بعد فیصلہ کرے گا۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 176

2۔ ایضاً، ص:1/ 62

مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات، مولانا مودودیؒ کی فقہی بحث

مولانا مودودیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

سورۂ بقرہ کی آیت 229 میں خود زوجین کا ذکر غائب صیغوں میں کیا گیا ہے لہٰذا لفظ "خِفْتُمْ" کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس سے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں اور حکمِ الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں باہمی رضامندی حاصل نہ ہو تو اولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے گا اس کی تائید نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور آپ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کی بارگاہ میں حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا خلع کے معاملہ میں ان کے خلع لینے کی وجوہات کی سماعت کر کے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔[1]

جو فقہاء خلع کے متعلق قاضی کی شمولیت کے قائل ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں: ان فقہاء کے نزدیک قرآن کی یہ دلیل ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ [2]

ترجمہ: (ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حُدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے) [3]

اس بات کی تائید علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے فقہی استدلال سے بھی ہوتی ہے، جو انہوں نے فتح الباری میں ابو عبید کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اس ضمن میں علامہ عسقلانی المتوفی 852ھ فرماتے ہیں:

"واستدلال يقوله تعالىٰ﴿فان خِفْتُمْ أن لا يُقِيمَا حُدودُ اللهِ ويقوله تعاليوان

1۔ مودودی، **حقوق الزوجین**، ص: 1/ 75۔74

2۔ البقرۃ: 229

3۔ مودودی، تفہیم القرآن، ص: 1/ 175

خِفۡتُم شقاق بینھا فابۡعثُواحکما من اھله و حکما مِن اھلھاَ‘‘ [1]

ترجمہ:(اللہ کے ان فرمودات سے ابو عبید نے استدلال کیا ہے، تو اگر تمہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکیں گے اور اگر تم کو میں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک مُنصف مرد کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک مُنصف عورت کے گھر والوں کی طرف سے بھیجو)

تجزیہ

مذکورہ آراءسے یہ اخذ ہوا کہ خلع کی مشروعیت پر تمام امت کا اجماع ہے۔اور خلع کا جواز صرف انہیں صورتوں میں ہے جب رشتہِ ازدواج میں دراڑ آجائے اور اللہ کی حدود کے ٹوٹنے کا خطرہ ہو شریعت نے انسان کے فطری حقوق کی پاسداری کا خیال رکھا ہے اور انسانی طبائع کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔کسی بھی حکم کو اس حد تک لازم کیا جاتا ہے جس حد تک طبیعتِ انسانی اسے قبول کرتی ہے۔جس طرح مذکورہ بحث میں فقہاء کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔

صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں خلع کے بیان میں دو نکات سامنے آئے جو کہ مشترک ہیں ایک یہ کہ خلع کا ثبوت دوسری یہ کہ یک طرفہ عورت کے حق میں فسخِ نکاح جسے عوام نے خلع کا نام دے دیا ہے ذیل میں با لترتیب بیان کیا گیا ہے۔

1۔خلع کا ثبوت:

خلع کے ثبوت میں دیگر علماء کے اقوال کی روشنی میں محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، لہٰذا اس پر عمل ممکن ہے۔دونوں مفسرین اور فقہاء درج بالا آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿الآَّ اَنۡ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللہ فَلَا جُنَاحَ عَلیھِمَافِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ﴾ [2]

1۔العسقلانی، ابنِ حجر محمد بن احمد کنانی،، **فتح الباری**، شرح صحیح بخاری، (لاہور: کتب الاسلامیہ، 1421ھ)، ص:9/397-396

2۔البقرۃ:229

ترجمہ:(مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر تمہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہ کر سکیں گے تو اُن پر اس (مالی معاوضے) میں کچھ گناہ نہیں جو عورت بدلے میں دے کر چھٹکارا حاصل کرلے[1]

یعنی جب میاں بیوی کو یہ اندیشہ ہونے لگے کہ اب ہمارا اکٹھا رہنا ممکن نہیں اور یہ خیال ہو کہ حدود اللہ کا ٹوٹ جائیں گی تو اس صورت میں الگ ہو جانا بہتر ہے کیونکہ حدود اللہ کی حفاظت اول بات ہے۔

خلع کے ثبوت میں دونوں مفسرین عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک حضرت ثابت بن قیس والی حدیث بھی ہے جس میں نبی ﷺ نے جانبین کی بات کو غور سے ساعت کر کے عورت کے حق میں فیصلہ دیا تھا اس کی تفصیل مذکورہ بحث میں بیان کی گئی ہے۔ خلع ایک عقد ہے جس میں عورت کا مطالبہ اور شوہر کی رضامندی شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اگر زوجین کے مابین اکٹھے رہنا ممکن نہ ہو تو عورت بطور مال شوہر سے خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مرد اسے قبول کر کے طلاق دے لیکن یہ معاملہ اگر گھر میں حل نہ ہو تو شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ عورت عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور قاضی دونوں کو طلب کرے گا اور دونوں کی بات کو غور سے ساعت کر کے عورت کے حق پر ہونے کے بعد فیصلہ عورت کے حق میں کرے گا لیکن جو عورتیں بلاوجہ فسخِ نکاح کراتی ہیں جسے آجکل معاشرے نے خلع کا نام دے دیا ہے شریعت اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

2۔ یک طرفہ عورت کے حق میں فسخِ نکاح عائد کرنا:

یک طرفہ عورت کے حق میں فسخِ نکاح قانوناً تو ہو جاتا ہے لیکن شریعت اسلامیہ میں اس کا کوئی تصور نہیں اور اس پہلو میں بھی محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ جانبین کی رائے کو دیگر علماء کی رائے کی تائید حاصل ہے، لہٰذا اس پر عمل ممکن ہے۔

مفتی ضیاء الدین کے نزدیک عدالتی تنسیخ دو طرح سے ہوتی ہے ایک صورت وہ ہے جس میں عدالت شرعی اصولوں کو عائد کرتی ہے تو ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو جائے گا اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ جبکہ دوسری صورت وہ ہے جس میں شرعی اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو اس صورت میں نکاح فسخ (جسے دورِ حاضر میں

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/400-399

عوام نے خلع کا نام دے دیا) نہیں ہو گا بلکہ میاں بیوی نکاح کے اندر ہی رہیں گے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ نے عورت کو اور نہ ہی قاضی کو طلاق کا اختیار نہیں دیا اور ایسے عدالتی فسخِ نکاح کا کوئی تصور بھی نہیں۔[1]

خلاصہ

مذکورہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو یہ اندیشہ ہو کہ کسی وجہ سے حدود اللہ کی حفاظت نہیں کر پائیں گے اور اکٹھی زندگی گزارنا ان کے لیے مشکل بن جائے اور عورت کسی سبب سے اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو تو شریعت نے عورت کے لیے خلع کا راستہ رکھا ہے جس سے عورت شوہر سے الگ ہو سکتی ہے اسی طرح عدالتی فسخ نکاح کے حوالے سے بحث ہوئی، اگر عدالت شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے عورت کے حق میں فیصلہ کرے پھر تو ٹھیک ہے ورنہ بغیر شرعی اصولوں کے قاضی عورت کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتا اگر کر بھی دیا تو وہ نکاح فسخ نہیں خیال کیا جائے گا۔

1۔ضیاء الدین، عدالتی تنسیخ کی شرعی حیثیت

فصل دوم

خلع کی حیثیت بطور طلاق یا فسخِ نکاح

طلاق میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ شریعت نے اس کا اختیار مرد کو دیا ہے جبکہ خلع میں عورت مرد سے جدائی کے لئے مال کی پیشکش کرتی ہے اگر مرد اس مال کو قبول کرلے پھر تو خلع سے جدائی ہو جائے گی اگر مرد مال کے ذریعے عورت کو آزاد نہ کرے پھر عورت کو اختیار ہے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور قاضی صورتِ حال کے مطابق فیصلہ کر دے اس کی تفصیل مذکور بحث میں گزر چکی ہے۔ خلع کی حیثیت طلاق کی ہے یا فسخِ نکاح کی؟ ذیل میں صراط الجنان اور تفہیم القرآن اور دیگر مفسرین و علماء کی آراء کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ خلع کی حیثیت بطور طلاق یا فسخِ نکاح میں سے کس کی ہے؟

خلع کی حیثیت کے متعلق محمد قاسم عطاری لکھتے ہیں کہ:

اگر زوجین کے مابین نا اتفاقی ہو تو سب سے پہلے زوجین کے گھر والے ان میں صلح صفائی کی کوشش کریں۔ جانبین کی طرف سے پنچ مقرر کیا جائے جو ان کے مابین صلح کروائے لیکن اس کے باوجود صلح سے بات نہ بنے اور یہ خوف ہو کہ شریعتِ مطہر احکامات کی پابندی نہ کر سکیں گے تو خلع میں کوئی مضائقہ نہیں اور خلع کی صورت میں طلاقِ بائن ہو جائے گی اور جو مال طے ہو اس پر ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔[1]

خلع کے طلاقِ بائنہ ہونے کے متعلق حدیثِ مبارک میں آتا ہے:

دارِ قطنی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَعَلَ الْخُلْعَ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً))[2]

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1 / 401-400

2۔ دار قطنی، **سنن الدار قطنی**، ح:34

ترجمہ:(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: خلع سے طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے)

ذیل میں فتاویٰ جات کی روشنی میں خلع کی صورت میں طلاق بائن ہونے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

1۔ دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور کا فتویٰ ہے کہ خلع کی وجہ سے طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے اس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا، البتہ باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔[1]

2۔ دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، پاکستان کا فتویٰ بھی مذکورہ فتویٰ کے عین مطابق ہے کہ " خلع سے ایک طلاق، بائن واقع ہوتی ہے۔ عورت سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کر کے اس کے ساتھ رہ سکتی ہے اور دوبارہ نکاح ہونے کی صورت میں شوہر کو آئندہ دو طلاقوں کا اختیار ہو گا"[2]

3۔ دارالافتاء دارالعلوم الہند نے طلاق، بائن کے متعلق مذکورہ فتاویٰ ہی کی طرح فتویٰ دیا ہے وہ یہ کہ خلع کی صورت میں طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔ اگر میاں بیوی دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہے، نکاح کے ذریعے وہی میاں بیوی پھر سے رشتۂ ازداج سے منسلک ہو سکتے ہیں۔[3]

حاصل بحث

مذکورہ قرآن و حدیث، تفسیر صراط الجنان اور مذکورہ فتاویٰ جات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے کیونکہ مرد بذریعہ مال اور خوشی سے عورت کو آزاد کرتا ہے اگر خاوند راضی نہیں پھر خلع بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی کسی اہم سبب کی بناء پر عورت خلع چاہتی ہے اور خاوند اسے آزاد نہیں کرنا چاہتا تو اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور قاضی صورتِ حال کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر زوجین پھر سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونا چاہیں تو شریعت کا تقاضا ہے کہ مرد و عورت تجدیدِ نکاح سے

1۔ دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور، کتاب الطلاق، فتویٰ نمبر: 303

2۔ بنوری، **خلع کے بعد تجدید نکاح**، دارُ الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، پاکستان،

3۔ دارالافتاء دارالعلوم الہند،، **طلاق و خلع**، جواب نمبر: 149813

اس پاکیزہ رشتے سے منسلک ہو سکتے ہیں، چاہے عورت عدت کے اندر ہو یا عدت گزر جائے دونوں صورتوں میں نکاح لازم ہے۔

مزید اخذ ہونے والے احکامات

مذکورہ بحث سے مزید احکامات میں خلع کی عدت اور طلاقِ بائن کے مسائل و احکام اخذ ہوئے ہیں جنہیں صراط الجنان اور دیگر علماء کرام کی آراء کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے

1۔ خلع کی عدت:

خلع کی عدت میں دو آراء ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک خلع کی عدت طلاق کی عدت ہی کی طرح تین حیض ہے ان میں محمد قاسم عطاری اور کئ دوسرے علماء کی آراء ہیں کیونکہ خلع طلاق ہی ہے جو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے جسے خلع کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی طرح کچھ علماء کہتے ہیں کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے محمد قاسم عطاری اور ان کی تائید میں علماء کی آراء کو بیان کر کے تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

عطاری صاحب اور دیگر علماء اس آیت سے استنباط کرتے ہیں:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ [1]

ترجمہ: (جن عورتوں کو طلاق دی گئ، وہ تین ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں) [2]

اس سے معلوم ہوا کہ ہے کہ طلاق کی عدت تین حیض ہے۔

خلع کی عدت سے متعلق علماء کی آراء

خلع کی عدت کے حوالے سے علماء کرام نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے، ذیل میں ان آراء کو پیش کیا گیا ہے۔

1۔ البقرة:228

2۔ مودودی، تفہیم القرآن، ص:1/173۔172

1۔ خلع کی عدت کے متعلق علامہ محمد یوسف بنوری کہتے ہیں کہ جس عورت کو حیض آتا ہو اُس کے لئے طلاق یا خلع دونوں صورتوں میں مدتِ عدت تین حیض ہو گی، البتہ اگر عورت حاملہ ہو تو عدت بچہ جننا ہے۔[1]

2۔ حماد الرب عفی کہتے ہیں کہ خلع طلاقِ بائن کی طرح ہوتی ہے جس طرح طلاقِ بائن کے بعد عورت پر عدت گزارنا لازم ہوتی ہے، اسی طرح خلع کے بعد بھی عورت پر عدت گزارنا لازم ہے۔ اور اس کی عدت تین حیض ہے۔[2]

3۔ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ بھی مذکورہ آراء کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہی کی طرح تین حیض ہے[3]

تجزیہ

خلع کی عدت کے متعلق مذکورہ آراء کی روشنی میں یہ پہلو معلوم ہوا کہ چاہے مرد نے عورت کو طلاق دی ہو یا عورت نے بطور خلع مرد سے علیٰحدگی حاصل کی ہو دونوں صورتوں میں عورت کے لئے عدت گزارنا ضروری ہے، بغیر عدت گزارے عورت نیا نکاح نہیں کر سکتی۔

طلاقِ بائن کی صورت میں تجدید نکاح

طلاقِ بائن کی وجہ سے دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً شوہر صریح طلاق کے الفاظ نہ کہے بلکہ اس طرح کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے یا طلاق کی نیت سے کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا یا چل یا جا یا شکل گم کر یا بستر اٹھا وغیرھا کے الفاظ کہے یا یوں کہے کہ تجھے سب سے سخت طلاق، اس قسم کے الفاظ بولنے سے طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اور عدت کے بعد دونوں صورتوں میں اگر مرد و عورت دونوں نکاح کر لیں تو رجوع ہو جائے گا۔ اس صورت میں عورت سے نکاح کے لئے اس کی اجازت و رضامندی ضروری ہے اگر وہ راضی نہ ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر عورت کو ایک یا دو طلاقیں رجعی دی تھیں اور شوہر نے عدت میں رجوع نہ کیا یہاں تک کہ

1۔ بنوری، **دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ**، فتویٰ نمبر: 143909202058

2۔ عفی، حماد الرب، **دارالافتاء ابوہریرہ**، دسمبر 2020ء

3۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص: 1/ 158

عدت گزر گئی تو اب نئے سرے سے نکاح کرنا ہو گا۔تب رجوع ہو گا اور ایسی صورت میں عورت کی رضامندی ضروری ہے۔اگر ایسا نہیں تو مرد تنہا رجوع نہیں کر سکتا۔[1]

تجزیہ

مذکورہ جو بحث گزری اس کے مطابق عورت پر طلاق کی طرح خلع کی صورت میں بھی عدت گزارنا لازم ہے۔ خلع کی صورت میں طلاقِ بائن ہوتی ہے۔شریعت کی رو سے طلاقِ بائن کی صورت میں بغیر تجدید نکاح کے عورت سے رجوع ممکن نہیں، مرد عدت کے اندر اور عدت گزر جانے کے بعد دونوں صورتوں میں تجدید نکاح کے ذریعے پھر سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو سکتا ہے مذکورہ بحث کی رو سے خلع کی عدت طلاق کی عدت کی طرح تین حیض ہے۔یہ مؤقف عطاری صاحب اور دیگر علماء کا ہے۔

مولانا مودودیؒ کے نزدیک بھی خلع کی حیثیت بطور طلاق ہے اور یہ طلاقِ بائن ہے۔جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: "خلع کی صورت میں جو طلاق دی جاتی ہے، وہ رجعی نہیں ہے بلکہ بائنہ ہے۔چونکہ عورت نے معاوضہ دے کر اس طلاق کو گویا خریدا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اس طلاق سے رجوع کر سکے۔البتہ اگر یہی مرد و عورت پھر ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اور بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا ان کے لئے بالکل جائز ہے"[2]

حاصل بحث

طلاقِ بائن کی صورت میں مرد کو یہ اختیار نہیں کہ بغیر تجدید نکاح کے عورت سے رجوع کرے بلکہ رجوع کے لئے تجدیدِ نکاح ضروری ہے۔

1۔عطاری، **طلاق کے آسان مسائل**، ص:20۔19

2۔مودودی، ***تفہیم القرآن***، ص:1/176

خلع کی عدت:

مولانا مودودیؒ خلع کی عدت کے حوالے سے دو آراء کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت کے نزدیک خلع کی عدت تین حیض ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے۔ مولانا مودودیؒ کے تاثر سے ایسا لگتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے کیونکہ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ خلع کی عدت کے حوالے سے حضرت ثابت بن قیس والی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس عورت کو نبی ﷺ نے خلع کے بعد ایک حیض عدت گزارنے کو کہا۔ جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ خلع کی عدت تین حیض ہے۔ "مگر ابو داؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ وغیرہ میں متعدد روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی"[1]

مولانا مودودیؒ اور کئی علماء خلع کی عدت سے متعلق اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں کہ:

امام نسائی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عن ابنِ عباس أن امرأةَ ثابتِ بنِ قيسٍ اختلَعت مِنه فَجَعَل النبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلمَ عِدَّتَهَا حيضةً))[2]

ترجمہ:(حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی عدت ایک حیض مقرر فرمائی)

مولانا مودودیؒ کی رائے کی تائید میں جن علماء کی آراء ہیں ان کو پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ پروفیسر سجاد علی کہتے ہیں کہ راجح قول یہی ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے۔ یہ بھی مذکورہ حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ جس آیت پر قیاس کر کے خلع کی عدت تین حیض قرار دی جاتی ہے، وہ خلع خلع کی بات نہیں ہو رہی بلکہ طلاق والی ایسی عورتیں جن کو خاوند نے خود طلاق دی ہو اس کی بات ہو رہی ہے۔[3] 2۔ ابن، کثیر حضرت عثمان رضی اللہ

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/176

2۔ نسائی، **سنن النسائی** ص:7/450

3۔ سجاد علی،، **خلع والی عورت کی عدت**، (سیالکوٹ: اصلاح ریسرچ فاؤنڈیشن، دسمبر، 2020ء)

عنہ کی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر کوئی عدت نہیں۔ہاں اگر قریب کے زمانہ میں خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو [1]

مولانا محمد علی جانبازؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنھما خلع کی عدت کے متعلق تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے بہتر اور بڑے عالم ہیں اور ان کے نزدیک عدت ایک حیض ہے۔[2]

3۔ عبدالمجید فرخ بھی خلع والی عورت کی عدت ایک حیض بتاتے ہیں اس کے بعد عورت آزاد ہے چاہے تو کسی اور سے نکاح کرلے۔[3]

مذکورہ آراء کی روشنی میں خلع کی عدت ایک حیض ہے۔باحث اس میں بین بین رائے رکھتا ہے کیونکہ خلع کی عدت سے متعلق دو آراء پائی جاتی ہیں جنہیں کئ علماء کرام نے اپنے فقہی استدلال سے پیش کیا ہے،اسی طرح عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے بھی استدلال پیش کیا ہے۔

مذکورہ بحث کا تقابل

اوپر جو بھی بحث گزری اس میں دو نکات سامنے آئے۔ایک یہ خلع کی صورت میں طلاقِ بائن کے مسائل جبکہ دوسرا نقطہ خلع کی عدت کے متعلق ہے۔ان نکات کو عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے فقہی استدلال سے پیش کیا گیا ہے اور دونوں کی آراء میں دلائل ہیں جن کو قرآن وسنت اور دیگر علماء کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ذیل میں ان نکات کے مشترک اور متفرق پہلو کو بیان کیا جارہا ہے۔خلع کی عدت کے حوالے سے متعدد علماء نے بحث کی ہے،ذیل میں تقابل کی صورت میں بیان کیا جارہا ہے۔

1۔ابنِ کثیر، **تفسیر ابنِ کثیر**، ص:1/ 382

2۔جانباز، **احکام عدت**، ص:1/ 24

3۔عبدالمجید، فرخ، **خلع لینے والی عورت کی عدت چینل، 2021ء**،

1۔ خلع کی صورت میں طلاقِ بائن:

علماء کی اکثریت ایسی ہے کہ جن کے نزدیک خلع طلاق ہی کی طرح ہوتی ہے اور اس کا حکم طلاقِ بائن ہے۔ عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک بھی خلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے لہٰذا اس میں جانبین کی طرف سے کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ جیسا کہ امام علی بن رازی جصاص لکھتے ہیں: کہ حضرت ثابت کا اپنی بیوی سے خلع کر لینا دراصل طلاق کی صورت تھی۔ نیز اس بات میں کوئی اختلاف نہیں اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں تجھے کچھ مال کے بدلے طلاق دیتا ہوں یا میں تیرا معاملہ کچھ مال کے بدلے تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں تو یہ طلاق ہو گی" [1]

اس طرح محمد سید نعیم الدینؒ لکھتے ہیں کہ مسئلہ خلع میں خلع کا ذکر ضروری ہے اور یہ طلاقِ بائنہ ہے"[2]

اس سے یہ واضح ہوا کہ عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے مابین یہ پہلو مشترک ہے جن کی آراء کی تائید دیگر مفسرین کی آراء سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر عمل ممکن ہے۔

2۔ خلع کی عدت:

خلع کی عدت کے متعلق دو آراء ہیں ایک یہ کہ اس کی عدت تین حیض ہے۔ محمد قاسم عطاری اور دیگر کئی علماء خلع کی عدت تین حیض قرار دیتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ [3]

ترجمہ: (اور طلاق والی عورتیں اپنی جانوں کو تین حیض تک روکے رکھیں) [4]

1۔ جصاص، **احکام القرآن**، ص: 2/199۔198

2۔ مراد آبادی، **خزائن العرفان**، ص: 1/66

3۔ البقرۃ:229

4۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/197

اس آیت کی تفسیر میں سید محمد نعیم الدینؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا بیان ہے اور ان عورتوں کی عدت تین حیض ہے اس میں خلع بھی شامل ہے کیونکہ یہ بھی طلاق ہی ہے جو بیوی کے مطالبے پر شوہر دیتا ہے۔[1]

لیکن کچھ علماء مذکورہ آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں خلع کی عدت کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہ حضرت ثابت بن قیس والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کی بیوی کو خلع لینے کی صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ اسی پر مولانا مودودیؒ بھی اتفاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ثابت بن قیس والا معاملہ اوپر گزرا اسی طرح محمد قاسم عطاری اور دیگر کئی علماء مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خلع طلاق ہی ہے اور اس کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہی ہے۔

الغرض عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے مابین خلع کی عدت سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔۔ دونوں کے پاس دلیل ہے اور باحث یہ معاملہ قارئین پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ دونوں مفسرین کو قرآن وسنت اور دیگر مفسرین و علماء کی رائے سے اہم آہنگ کرتے ہوئے کس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں؟

1۔ نعیم الدین، **خزائن العرفان**، ص:1/65

فصل سوم

شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتیں

شوہر کا بیوی سے مال لینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ شوہر وہ مال واپس لے جو بطور خلع نہ ہو دوسری یہ کہ شوہر وہ مال واپس لے جو بطور خلع ہو۔ اول الذکر صورت کے متعلق جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ (1)

ترجمہ:(اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم نے جو کچھ عورتوں کو دیا ہو اس میں سے واپس لو مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر انہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر اس (مالی معاضے) میں کچھ گناہ نہیں جو عورت بدلے میں دے کر چھٹکارا حاصل کرلے) (2)

اس آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب لکھتے ہیں:

"اس آیت میں طلاق کے وقت عورت سے مال لینے کا مسئلہ بیان کیا جارہا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ شوہر اپنا دیا ہوا مہر واپس لے اور یہ خلع کے طور پر نہ ہو تو ایسی صورت حرام ہے۔، جیسا کہ مذکورہ آیت سے ہی ظاہر ہے" (3)

یعنی کہ مرد نے جو حق مہر عورت کو دیا ہو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ وہ مال اس عورت کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں آتا ہے:

1۔ البقرۃ:229

2۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:1/ 399

3۔ ایضاً، ص:400

﴿وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّ اٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡامِنۡهُ شَيۡـًٔا اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴾[1]

ترجمہ: (اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اُسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟)[2]

اس آیت کی تفسیر میں عطاری صاحب لکھتے ہیں:

اگر تمہارا ارادہ بیوی کو چھوڑنے کا ہو تو اپنا دیے ہوئے مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ اہلِ عرب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ اگر مرد کو اپنی بیوی کے علاوہ کوئی دوسری عورت پسند آجاتی تو وہ اپنی بیوی پر جھوٹی تہمت لگاتے تا کہ وہ اس سے پریشان ہو کر جو کچھ لے چکی ہے واپس لوٹا دے اور طلاق حاصل کرلے[3]

یہاں بتایا جارہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مرد عورتوں سے مال بٹورنے کے کئی بہانے بنالیتے تھے تو اس آیت سے ایسا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

اسلام میں مہر کو واپس لینے سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور یہ واضح احکام اسلام میں ہی دیکھے جاسکتے ہیں جبکہ دیگر مذاہب میں مہر اور دیگر احکام غیر واضح ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَ قَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّ اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴾[4]

1۔ النساء:20

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:۱/ ۳۳۴۔۳۳۵

3۔ ایضاً

4۔ النساء:21

ترجمہ: (اور تم وہ مال کیسے واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم تنہائی میں ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور وہ تم سے مضبوط عہد بھی لے چکی ہیں)[1]

یہاں مردوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ وہ خلوتِ صحیحہ ہو جانے کی وجہ سے عورتوں سے مال کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ وہ عہد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾[2]

ترجمہ: (پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر لیا جائے)[3]

حق مہر کی واپسی کی ممانعت کے حوالے سے علماء کی آراء

حقِ مہر کے حوالے سے علماء کے اقوال کو بیان کیا رہا ہے۔

1۔۔ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی غلطی نہ ہو اور پھر بھی تم اسے چھوڑ کر کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہو تو تمہیں یہ حق نہیں کہ جو تم پہلے خوشی سے دے چکے ہو تو خواہ اس کی مقدار جو بھی ہو، واپس لو۔[4]

2۔ میاں محمد جمیلؒ لکھتے ہیں: بیوی کی کوئی بات ناگوار ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ گزارا کرنا چاہیے، بصورت دیگر طلاق دیتے ہوئے اس سے حق مہر واپس لینے کی اجازت نہیں[5]

3۔ عبد الرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں کہ خاوند جو حق مہر بھی اور اس کے علاوہ زیورات، کپڑے وغیرہ بطور ہدیہ اپنی بیوی کو دے چکا ہو اس سے وپس نہیں لے سکتا۔ عام حالات میں بھی کسی شخص کو کوئی چیز بطور ہدیہ دینے کے بعد واپس لینا مناسب نہیں۔

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص:2/189

2۔ البقرۃ:229

3۔ مودودی، تفہیم القرآن، ص:1/174

4۔ ابنِ کثیر، **تفسیر ابن، کثیر**، ص:1/ 331

5۔ محمد جمیل، **فہم القرآن**، ص:1/667

ایسے شخص کے لئے نبی ﷺ نے سختی فرمائی ہے۔[1]

محمد بن اسماعیل صلاح صنعانی المتوفی 1182ھ روایت بیان کرتے ہیں کہ:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ))[2]

ترجمہ: (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنا ہبہ واپس لینے والا شخص اس کتے کی طرح ہے جو اپنی ہی قے چاٹتا ہے)

یعنی کہ ایک شخص ہبہ کر کے وہ چیز واپس لے لے تو وہ اپنا نقصان خود ہی کرتا ہے دوسروں کی نظروں میں اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے۔

بطور خلع مال کی ادئیگی کرنا:

عورت سے مال لینے کی دوسری صورت یہ ہے کہ عورت شوہر سے خلع لے اور اس کے بدلے میں عورت مال کی ادائیگی کرے۔

جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾[3]

ترجمہ: (مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر انہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر اس (مالی معاوضے) میں کچھ گناہ نہیں جو عورت

1۔ کیلانی، **تیسیر القرآن**، ص: 1/ 178

2۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل بن صلاح، **سبل السلام**، باب المھر: ح: 815،

3۔ البقرۃ: 229

بدلے میں دے کر چھٹکارا حاصل کر لے)[1]

شریعت میں اس صورت کی اجازت ہے جیسا کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ عورت کے فدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو خلع میں لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو مال لینا درست ہے لیکن مہر کی مقدار سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔[2]

مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ زوجین کے مابین اگر ناچاقیاں اس قدر ہوں تو شریعت کی حدود کی حفاظت کے لئے عورت بطور مال کے ذریعے خاوند سے خلع لے سکتی ہے بشرطیکہ خاوند وہ مال قبول کر کے عورت کو طلاق دے دے۔

اس حوالے سے علماء کرام نے اپنے اپنے انداز میں بحث کی ہے۔ ذیل میں ان کی آراء کو بیان کر کے تجزیہ کیا جائے گا۔

1۔ مولانا عبد الرحمٰنؒ لکھتے ہیں کہ اگر حالات زیادہ کشیدہ ہوں اور عورت بہر حال اپنے خاوند سے اپنا آپ چھڑانا چاہتی ہو تو جو زر فدیہ وہ آپس میں طے کر لیں وہی درست ہو گا اور وہ رقم لینے کے بعد اسے طلاق دے گا، عورت پر طلاقِ بائن واقع ہو جائی گی۔ اسے شرعی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں"[3]

مولانا عبد الرحمٰن مزید لکھتے ہیں کہ زرِ فدیہ کم یا زیادہ ہو سکتا ہے، مگر زیادہ لینا مکروہ ہے[4]

2۔ محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں کہ بطور خلع مال لینے کے حوالے سے سے فقہاء احناف کہتے ہیں کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لے سکتا ہے جبکہ اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے[5]

1۔ عطاری، **صراط الجنان**، ص: 1/ 399

2۔، ایضاً، ص: 401-400

3۔ کیلانی، **تیسیر القرآن**، ص: 1/ 178

4۔ ایضاً

5۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، ص: 1/ 667

3۔ میاں محمد جمیل لکھتے ہیں اگر زوجین میں سے دونوں کو یہ خدشہ ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اخلاقی اور ازدواجی حدود کا احترام نہیں کر سکیں گے۔ ایسی صورت میں بطور خلع حق مہر واپس کر دے یا مزید کوئی چیز دے کر طلاق حاصل کر لے۔ اس مین لین دین پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن میں کسی سورت تجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی متعین کردہ حدود کو اس لئے واضح کرتا ہے تاکہ تم احترام کرو اور ان کو سمجھو [1]

تجزیہ

اسلام نے مرد و عورت دونوں کے حقوق کا لحاظ رکھا ہے جس طرح مرد عورت کو دیا ہوا ہدیہ (حق مہر) طلاق دیتے وقت واپس نہیں لے سکتا اسی طرح بطور خلع عورت کو طلاق حاصل کرنے کے لئے مرد کو مال دینا پڑتا ہے وہ مال قبول ہونے پر عورت مرد سے طلاق حاصل کر لیتی ہے۔ اس کی صورت یہ کہ جب میاں بیوی کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اب ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس وقت عورت مال کے ذریعے مرد سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ جسے خلع کہتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ کے نزدیک بھی شوہر کے لئے بیوی سے مال لینے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت جائز نہیں ہے جبکہ ایک جائز ہے۔ ناجائز صورت کے متعلق جیسا کہ لکھتے ہیں کہ عورت کو رُخصت کرتے وقت مرد مہر اور زیور وغیرہ دے چکنے کے بعد واپس لینے کا استحقاق نہیں رکھتا اور یہ بات اسلام کے بھی منافی ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرنے کے بعد اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لئے یہ شرمناک بات ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے کر رُخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ مال لے لیتا ہے جو اس نے بطور حق مہر دیا تھا۔ [2]

حاصل بحث

یعنی کہ مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ طلاق دیتے وقت وہ مال عورت سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس نے بطور مہر، زیورات وغیرہ اس عورت کو ہبہ کیا تھا۔ اس سے پہلے اوپر جو بحث گزری اس کی روشنی میں مولانا

1۔ میاں محمد جمیل، **فہم القرآن**، ص:1/ 361

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 175

مودودیؒ کی رائے مطابقت رکھتی ہے۔ جبکہ بیوی سے مال لینے کی دوسری صورت خلع کی صورت میں ہے جو کہ جائز ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے عورت مرد کے ساتھ رہنا نہ چاہے تو اس معاملے میں اگر عورت اور مرد کے مابین جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہو گا اگر مرد اپنے دیے ہوئے مال سے بڑھ کر کسی مال کا مطالبہ کرے تو یہ فعل درست نہیں [1]

یہ بحث بھی عطاری صاحب اور دیگر علماء کی رائے کے مطابق ہے۔ مذکورہ بحث سے شوہر کا بیوی سے مال لینے کی دو صورتیں سامنے آئیں جن کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ بیوی کو طلاق دیتے وقت مال لینے کی صوتیں:

عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ اور دیگر علماء کے نزدیک بیوی کو طلاق دیتے وقت مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عورت کو دیا ہوا حق مہر واپس لے۔

جیسا کہ آیت سے ہی ظاہر ہے:

﴿وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾[2]

ترجمہ: (اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو) [3]

اس سے معلوم ہوا کہ عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک دیگر علماء کی آراء کی روشنی میں اختلاف نہیں پایا جاتا، لہٰذا یہ حکم عام اور جانبین کے مابین مشترک ہے۔ بطور خلع مرد کے مال لینے سے متعلق اگلی سطور میں بیان کیا جارہا ہے۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 175

2۔البقرۃ:229

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ص:1/ 174

2۔بطورِ خلع مرد کا مال لینا:

مذکورہ بحث کے تحت عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک خلع کی صورت میں عورت کا مال لینے کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔جیسا کہ آیت سے ہی ظاہر ہے۔

﴿ اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ﴾ [1]

ترجمہ:(:(مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر انہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر اس (مالی معاضے) میں کچھ گناہ نہیں جو عورت بدلے میں دے کر چھٹکارا حاصل کرلے)[2]

لہٰذا جانبین کے مابین یہ مسئلہ بھی مشترک اور عام ہے۔جو کہ قابلِ اختیار ہے۔

1۔البقرہ:229

2۔عطاری، صراط الجنان، ص:1/ 399

خلاصۂ مقالہ

اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقاء کے لیے مر دوزن کو ایک عظیم رشتے سے منسلک کیا ہے، جسے نکاح کہتے ہیں۔ نکاح ہی کے ذریعے زوجین کے مابین ایک مضبوط رشتہ قائم ہوتا ہے اور حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ نکاح جنسی خواہش کا نام نہیں ہے اور نہ اس چیز کا نام ہے کہ زاجین میں سے ہر کوئی جس طرح چاہے زندگی گزارے اور ایک دوسرے کے حقوق سے غفلت برتی جائے بلکہ نکاح ایک ایسا عقد ہے جس کے تقاضے پورے کرنے کا اسلام نے زوجین میں سے ہر ایک کو پابند کیا ہے تاکہ زوجین کی زندگی خوشحال گزرے۔ دوسری طرف بعض اوقات یہ عظیم رشتہ کئی خرابیوں کی نظر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے حدودِ الٰہی ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اسلام نے اس عظیم رشتے سے علیحدگیہلےی کا بھی طریقہ بتایا ہے جس سے حدودِ الٰہی کی حفاظت ممکن ہے۔ اس حوالے سے تفسیر صراط الجنان اور تفہیم القرآن کی روشنی میں احسن انداز سے بحث کی گئی ہے۔

1۔ پہلے باب میں صراط الجنان اور تفہیم القرآن کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان تفاسیر کے اسالیب اور خصوصیات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان تفاسیر کے متعلق جدید وقدیم علماء کی آراء کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

2۔ دوسرے باب میں نکاح اور اس کے متعلقہ مسائل واحکام میں حقِ مہر اور نان ونفقہ کو بھی مذکورہ تفاسیر کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن وسنت اور مفسرین وعلماء کے اقوال کی روشنی میں نکاح کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ نکاح ہی ایک عظیم رشتہ ہے جس سے ایک مظبوط معاشرہ پروان چڑھتا ہے۔ اسی طرح حقِ مہر اور نان ونفقہ کی اہمیت کو بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے جس قدر حقوق ہیں اس کی مثال دیگر الہامی مذاہب میں نہیں ملتی۔ اس حوالے سے عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے احسن ندازسے بحث کی، اس کے علاوہ دیگر علماء نے بھی بحث کی ہے جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کس قدر عورتوں کے حقوق کا خیال رکھا اور انہیں معاشرے میں ایک اہم مقام دیا۔ بوقتِ نکاح مہر کا تقرر بھی ضروری ہے اگرچہ مہر کا نز کر کیے بغیر نکاح ہو جاتا ہے مگر بعد میں ادا کرنا پھر بھی واجب ہوتا ہے جبکہ مہر کی مقدار کا تعین نہ کیا ہو تو اس خاندان میں جو عرفاًمہر ادا کیا

جاتا ہے وہ بطور مہرِ مثل ادا کرنا پڑے گا۔ اگر عورت مہر میں سے کچھ حصہ معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے لیکن بغیر معاف کیے عورت کے مال پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مہر کی مقدار سے متعلق علماء احناف اور جمہور علماء کم از کم دس درہم (دو تولہ ساڑھے سات ماشے) یا اس کی جو قیمت بنتی ہے، اس کے قائل ہیں اور عطاری صاحب بھی اسی رائے سے اتفاق کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف امام شافعی کے نزدیک مہر کی مقدار مقرر نہیں جبکہ خدمت اور معاوضہ بھی مہر بن سکتے ہیں، مہر کی مقدار سے متعلق امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار تین چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مہر جو بھی ہو مقرر کر دینا چاہیے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک بھی مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے۔ اسی طرح نان و نفقہ سے متعلق بھی عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے احسن انداز میں بحث کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ یہ عورت کا حق ہے۔ عورت کو نان و نفقہ دیتے وقت مرد کی مالی حیثیت کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔ جبکہ نفقہ کی عدم ادائگی کی وجہ سے دو آراء ہیں۔ عطاری صاحب احناف کے مؤقف پر ہیں کہ نفقے کی عدم ادائیگی کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں کرائی جائے گی جبکہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک زوجین کے مابین تفریق کرائی جائی گی اور اس حوالے سے مولانا مودودیؒ نے امام مالک کی رائے کا لیا ہے کہ وہ نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں مرد کو دو مہینے کا وقت دینے کے بعد جدائی کا حکم دیتے ہیں۔

اسی طرح محرمات کی تفصیل بھی بیان کی گئ کہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ان میں تین قسم کے رشتے شامل ہیں۔ نسبی رشتے (جیسے کہ مائیں، بیٹیاں، بہنیں، خالائیں وغیرہ) کچھ رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں، اس کی مدت میں اختلاف ہے عطاری صاحب اور دیگر کئ علماء کے نزدیک مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے جبکہ مودودیؒ اور کئ علماء کی رائے یہ ہے کہ مدتِ رضاعت دو سال ہے۔

اسی طرح کتابیہ اور لونڈی سے نکاح سے متعلق بیان ہے۔ مفتی محمد قاسم عطاری اور دیگر علماء کے نزدیک ہر وہ شخص اہل کتا ہے جو کسی نہ کسی شریعت کا قائل ہو اور ان کی عورتوں سے نکاح اس شرط پر جائز ہے اگر وہ واقعی کتابیہ ہو، دہریہ نہ ہو جبکہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک اہل کتاب صرف وہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ جنہوں نے بعد میں نصرانیت یا عیسائیت اختیار کی وہ اہلِ کتاب شمار نہیں ہوں۔ اول الذکر سے نکاح جائز ہے۔ لونڈی سے متعلق

وہ عورتوں جو مسلمان کنیزیں اور کافرہ لونڈیاں ہیں اگر کوئی مسلمان مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اسے اجازت ہے کہ مومنہ لونڈی سے ان کے مالکوں سے نکاح کرلے کیونکہ آزاد عورت اور مومنہ لوونڈی کے نکاح کے احکامات مختلف ہوتے ہیں مومنہ لونڈی کے وہ احکام نہیں جو آزاد عورت کے ہیں اس حوالے سے محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ نے مفصل بحث کی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے کس قدر ایک مسلمان مرد کو نکاح کے معاملے میں آزادی دی ہے۔اسی طرح کافرہ لونڈی سے نکاح کرنے کی حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔ کافرہ لونڈیاں وہ جو حالتِ جنگ میں گرفتار ہوکر مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو مالک کے لیے وہ عورتیں بغیر نکاح کے ہی حلال ہیں۔

3۔ تیسرے باب میں طلاق اور اس کے بعد اگر عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہے، اس حوالے سے قرآن وسنت، صراط الجنان، تفہیم القرآن کی روشنی میں بحث کی گئ جن کی تائید میں دیگر علماء نے بھی بحث کی۔ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ طلاق کی حد دو بار تک ہے اس کے بعد اگر مرد تیسری طلاق دے گا تو وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی تو صراط الجنان اور تفہیم القرآن میں اس حوالے سے مفصل بیان کیا گیا ہے کہ طلاق وقفے سے دینی چاہیے تاکہ دوبارہ طلاق دینے سے پہلے مرد کو سوچ بچار کا موقع مل جائے اور رشتہ ٹوٹنے سے بچ جائے۔ طلاق کے بعد بچے کی رضاعت کے معاملے میں بھی مفتی عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے احسن انداز سے بحث کی ہے کہ اگر عورت مطلقہ ہو یا نہ ہو یا عدت میں ان صورتوں میں عورت پر واجب ہے کہ وہ اس بچے کو دودھ پلائے اگر عدت گزر جائے تو اب عورت پر اس بچے کے لیے دودھ پلانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور باپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس بچے کے دودھ کے لیے کسی عورت کو اجرت پر مقرر کرے۔

اسی طرح عدت کے احکام سے متعلق عطاری صاحب اور مولانا مودویؒ نے مفصل بحث کی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عدت کی حکمت اور مقاصد کیا ہیں اور ساتھ ہی عدت کی مختلف صورتوں پر بحث کی گئ ہے۔ جن میں بغیر صحبت کیے عورت کی عدت کا بیان، طلاق یافتہ عورت جسے حیض بھی آتا ہو، اس کا بیان، حیض سے مایوس عورتوں کی عدت کا بیان، بیوہ کی عدت کی بیان اور حاملہ عورت کی عدت کے بیان میں مفصل بحث کی گئ۔ جن کے احکامات سے متعلق متعلق محمد قاسم عطاری اور مولانا مودودیؒ کے نزدیک کوئ اختلاف نہیں پایا جاتا جبکہ عورت کا فوت شدہ خاوند

کے گھر میں عدت گزارنے سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ عطاری صاحب اور دیگر کئی علماء کے نزدیک عورت فوت شدہ خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے گی، ضرورت کی حد تک باہر جاسکتی ہے جبکہ رات اسی گھر میں گزارنا ہو گی جبکہ مولانا مودودیؒ دو جماعتوں کی آراء کا تذکرہ کرتے ہیں، ایک کے نزدیک عورت فوت شدہ خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ عورت جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور سفر بھی کر سکتی ہے۔

اسی طرح سورۂ طلاق میں مذکورہ مسائل و احکام کو سمجھنے کے لیے عطاری صاحب نے سورۂ الطلاق میں مذکورہ مسائل واحکام کو سورۂ التغابن سے ربط قائم کیا ہے جبکہ مولانا مودودیؒ نے سورۂ البقرہ سے ربط قائم ہے۔

4۔ چوتھے باب میں خلع کی وجوہات سے متعلق احکام، خلع کی حیثیت اور شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتوں سے متعلق مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ خلع کی وجوہات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر زوجین کے مابین اختلافات اس قدر بڑھ جائیں کہ حدودِ الٰہی کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں عورت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مال کے ذریعے مرد سے علیٰحدگی اختیار کرلے قاضی اکیلا عورت کے حق میں فیصلہ نہیں دے سکتا بلکہ دونوں سے معاملے کی تفتیش کرے پھر فیصلہ کرے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہے تو اس صورت میں عورت سے مال لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو اس صورت میں مال لینے میں حرج نہیں لیکن مہر کی مقدار سے زیادہ لینا پھر بھی درست نہیں۔ اسی طرح خلع کی عدت سے متعلق علماء کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے، جس میں دو آراء سامنے آئیں، ایک یہ کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہی طرح تین حیض ہے۔ جس کے محمد قاسم عطاری اور دیگر کئی علماء اتفاق کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے، اس سے مولانا مودودیؒ اور دیگر کئی علماء اتفاق کرتے ہیں۔

اسی طرح مفتی عطاری صاحب اور مولانا مودودیؒ نے خلع کی حیثیت پر احسن انداز سے بحث کی۔ جانبین کے نزدیک خلع کی حیثیت طلاقِ بائن کی ہے اور دیگر علماء کے نزدیک بھی اس کی حیثیت طلاقِ بائن کی ہے۔ اس لیے جانبین کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں پایا۔

4۔ اسی طرح شوہر کا بیوی سے مال لینے کی صورتوں کا بیان ہے، جس کے متعلق عطاری صاحب، مولانا مودودیؒ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حوالے سے زوجین کے حقوق کو واضح کیا گیا ہے کہ طلاق دیتے

وقت مرد عورت سے وہ مال واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا جو اس نے بطور مہر میں دیا تھا دوسری طرف خلع کے وقت مرد عورتے سے مال لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ مذکورہ بحث میں قارئین علماء کی آراء کی روشنی میں قوی آراء کو قبول کر سکتے ہیں۔

نتائج وسفارشات:

زیر نظر مقالہ (عائلی مسائل سے متعلق تفہیم القرآن اور صراط الجنان کے مباحث کا تقابلی مطالعہ) سے کئی نتائج سامنے آئے جن کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے۔ نتائج کے بعد اس مقالہ سے متعلق سفارشات پیشِ خدمت ہیں۔ نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ باب اول میں صراط الجنان اور تفہیم القرآن کے منہاہج واسالیب کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا اور یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ دونوں تفاسیر دورِ حاضر کی مستند تفاسیر ہیں مشترک پہلوؤں میں انداز بھی ایک ہی ہے جیسا کہ دیباچے میں دونوں مفسرین نے تفسیر کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کرتے وقت شان نزول، ہر سورۃ سے پہلے موضوع اور اس کے اتار چڑھاؤ کے لئے ایک طریقے کو مد نظر رکھا ہے جبکہ متفرق پہلو میں انداز مختلف ہے وہ یہ ہے کہ عطاری صاحب نے تفسیر کرتے وقت ہر خاص وعام کو مخاطب کیا ہے جب کہ مولانا مودودیؒ نے تفسیر کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ طبقے کو مخاطب کیا ہے۔

2۔ باب دوم میں دونوں مفسرین کے مابین دیگر علماء کی روشنی میں نکاح کے مسائل واحکام سے متعلق کچھ حد تک اشتراک پایا جاتا ہے جب کہ مجموعی طور پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن مسائل میں اختلاف موجود ہے ان میں ایک نکاح کی شرعی حیثیت سے متعلق ہے۔ عطاری صاحب کے نزدیک نکاح سنت مؤکدہ، فرض، واجب وغیرہ ہو سکتا ہے جبکہ مولانا مودودیؒ کے ہاں نکاح صرف سنتِ مؤکدہ ہی ہے۔ اسی طرح کتابیہ سے متعلق رائے یہ ہر وہ شخص اہلِ کتاب میں سے ہے جو کسی نہ کسی شریعت کا قائل ہو اور نکاح سے عطاری صاحب کے نزدیک اس شرط پر کیا جا سکتا ہے کہ وہ عورت واقعی کتابیہ ہو، دہریہ نہ ہو جبکہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک اہل کتاب صرف وہی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ان سے نکاح کیا جا سکتا ہے جبکہ دورِ حاضر میں جنہوں نے بعد میں نصرانیت یا عیسائیت اختیار کی ہو وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں اور ان سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین علماء کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں۔

3۔ باب سوم طلاق اور اس سے متعلقہ مسائل پر مبنی ہے، جس میں دونوں مفسرین کی آراء میں کچھ مسائل میں اختلاف ہے، جیسے صراط الجنان کی روشنی میں عورت فوت شدہ خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے گی اور عورت بغیر وجہ کے گھر سے باہر نہیں جاسکتی جبکہ تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ نے دو جماعتوں کی آراء کو سامنے رکھا ہے ایک کے نزدیک عورت جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور دورانِ عدت عورت گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے اور سفر بھی کر سکتی ہے اور اس حوالے سے باحث کو اقوال نہیں ملے جبکہ دوسری جماعت کے نزدیک دوران عدت عورت گھر سے باہر نہیں جاسکتی، البتہ انتہائی ضروری کام کی غرض سے گھر سے باہر جاسکتی ہے ۔

4۔ باب چہارم خلع اور اس سے متعلقہ مسائل و احکام پر مبنی ہے۔ اس میں جو مسائل و احکام مذکور ہیں ان میں سے خلع کی عدت سے متعلق اختلاف ہے۔ عطاری صاحب اور دیگر قدیم و جدید علماء کے نزدیک خلع کی عدت طلاق کی عدت ہی کی طرح تین حیض ہے، جبکہ مولانا مودودیؒ اور کئی علماء کے نزدیک خلع کی عدت ایک حیض ہے۔ دونوں کے ہاں دلیل ہے اور قارئین ان میں سے قوی رائے کو قبول کر سکتے ہیں جبکہ خلع کے دیگر مذکورہ مسائل میں مجموعی طور پر جانبین میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ جس پر عمل ممکن ہے۔

سفارشات

مذکورہ بحث کے بعد سفارشات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. دورِ حاضر میں عائلی مسائل سے دوری معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی ہے تو نسل نو کو ان مسائل سے نپٹنے کے لئے جانکاری ضروری ہے، اس کے لئے حکومت وقت کو چاہئے کہ تعلیمی میدان میں اسلامیات کے عائلی مسائل سے آگاہی کا حصہ خاص کیا جائے۔
2. وطنِ عزیز میں عائلی قوانین کے متعلق غیر شرعی دفعات ہیں تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ان پر نظر ثانی کر کے انہیں اسلامی سانچے میں ڈالتے ہوئے مذکورہ تفاسیر کو پروموٹ کرے۔
3. اس کے ساتھ ساتھ باحثین کو چاہئے کہ تفہیم القرآن کے عائلی مسائل کو ان کی فکر سامنے رکھتے ہوئے فقہاء کرام کی رائے کے مطابق جانچنے کی کوشش کریں، تاکہ ان مسائل کا کماحقہ فقہی ادراک عصری بنیادوں پر واضح ہو۔
4. صراط الجنان میں عصری جوانب کا احاطہ کرنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے لیکن اس تفسیر میں کئ اہم جہات ہیں جن کو کھولنے کے لئے تحقیق کی اہم ضرورت ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام اور مختلف قوموں کے قصص کی فکری نوعیت کسی بھی قوم کی آبادی یا تباہی کے تناظر میں۔

فہارس

فہرست قرآنی آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

فہرست اصطلاحات

فہرست مصادر و مراجع

فہرست قرآنی آیات

نوٹ: آیات کو قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس میں سورۃ کا نام، آیت نمبر اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔ جو آیات چھوٹی ہیں انہیں مکمل لکھا گیا ہے جبکہ طویل آیات کے اجزاء مرتب کیے گئے ہیں۔

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَة قُرُوْٓءٍ---الخ	البقرۃ	228	39,40,149
.2	وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ---الخ	البقرۃ	229	162,166
.3	فَاِنْ طَلَّقَا فَلَا تَحِلُّ لهُ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ ----الخ	البقرۃ	230	127
.4	وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	البقرۃ	233	97
.5	وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ----الخ	البقرۃ	234	150,154
.6	عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ	البقرۃ	236	71,135
.7	وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُگنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ	البقرۃ	237	69,135
.8	وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا ----الخ	النساء	3	33
.9	وَ اٰتُوا النِّسَآءَصَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَة فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ -----الخ	النساء	4	30,55
.10	وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ	النساء	6	86
.11	وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ----الخ	النساء	20	73,190
.12	وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنهُ وَقَدْاَفْضٰى بَعْضُكُمْ ----الخ	النساء	21	190
.13	وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآء----الخ	النساء	22	84,96
.14	حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ......الخ	النساء	23	87,96
.15	وَّالْمُحصَنٰتُ مِنَّ النِّسَآءِاِلَّامَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ-----الخ	النساء	24	64,81
.16	وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ ---الخ	النساء	25	71,120

17.	اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ----الخ	النساء	34	80
18.	وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھما فَابْعَثُوْا حَكَمًا---الخ	النساء	35	165
19.	یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ---الخ	النساء	127	56
20.	وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ -----الخ	النساء	130	123
21.	اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ----الخ	المائدة	5	107,112
22.	انْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ----الخ	الانعام	156	110,113
23.	یاَاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ-----الخ	الاحزاب	49	134,139
24.	یٰاَیُّها النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَک الّٰتِی----الخ	الاحزاب	50	58,65,133
25.	وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ---الخ	النور	32	50
26.	اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ----الخ	لقمان	20	1
27.	وَحَمْلُه وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شهرًا	الاحقاف	15	98,105
28.	یاَاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ----الخ	التغابن	14	160
29.	عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهادَة الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ	التغابن	18	160
30.	یاَیُّھا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ -----الخ	الطلاق	1	155
31.	وَ الّٰٓیِٔ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ---الخ	الطلاق	4	28,30,156
32.	وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْه رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰه اللّٰہ-----الخ	الطلاق	7	82
33.	وَ اَنَّ اللّٰہ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْماً	الطلاق	12	161

فہرست احادیث

نوٹ: احادیث کی فہرست میں اطراف حدیث کو ذکر کیا گیا ہے جس میں الف بائی کی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ یہاں صرف جزوی طور پر احادیث کو بیان کیا گیا ہے جبکہ احادیث کے متعلق مکمل معلومات حوالہ جات میں بیان کی گئی ہے۔

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1.	أَحَقُّ الشُّرُوطِ اَنْ تُوَفُّوْا------الخ	الجامع الصحیح	61
2.	أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّم عَنْ رَجُلٍ ----الخ	السنن النسائی	126
3.	اِذَا قَبَّلَهَاا اَوْلاَ مَسهَاا اَوْنَظَرَ----الخ	اعلان السنن	91
4.	اَسلَمْتُ وَعِنْدِي ثَمَان نِسوَة------الخ	سنن ابی داوٗد	37
5.	اَلمُتوفى عَنهَا زَوْجَهَا لَا تلبس المعصفرمِنَ الثِّيَاب-----الخ	سنن ابی داوٗد	151
6.	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي----الخ	سننِ ابن ماجہ	44
7.	أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بنِ عبدِ اللَّهِ بنِ الأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ----الخ	صحیح مسلم	143
8.	أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَعَلَ الْخُلْعَ تَطْلِيقَةً بَائِنَة	سنن الدار قطنی	181
9.	أن امرأةَ ثابتِ بنِ قيسٍ اختلعت-----الخ	السنن الکبریٰ	167
10.	أَنَّ زَيْنَب بِنْتَ اَبِي سَلَمَةَ اخْبَرَتْهُ عَنْ اُمِّهَا----الخ	الجامع الصحیح	142
11.	أَنَّ عَلِيًّا لَمَّا تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ ------الخ	سنن ابی داوٗد	70
12.	اَيُّمَا رَجُلٍ أَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًا----الخ	المسند للامام احمد	61
13.	اَيُّمَا رَجُل كَانتْ عِنْدهُ وَلِيدَة -----الخ	الجامع الصحیح	118
14.	جَاءَتْ امْرَأَة اِلَى رَسُوْل الله صلى اللهُ عليه وَسَلَّمْ ----الخ	الجامع الصحیح	60
15.	أَنَّ امْرَأَةَ، ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ--------الخ	الجامع الصحیح	185
16.	الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ-----الخ	الجامع الصحیح	56
17.	فِى الرَّجُلِ لاَ يَجِدُ مَا يُنفق عَلَى امْرَاتِه يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا-----الخ	السنن الکبریٰ	81
18.	لَا تحل لِى يحرم مِنَ الرَّضَاعِ ما يحرم -----الخ	الجامع الصحیح	89

68	سنن الدار قطنی	لَا تَنْكِحُوا النِّسَاء إِلَّا الْأَكفَاءَ وَلَا يُزَوِّجُهُنَّ----الخ	.19
186	السنن الکبریٰ	أن امرأةَ ثابتِ بنِ قيسٍ اختلَعت منه----الخ	.20
152	سنن ابی داؤد	لا تحد المراة فَوق ثَلاث-------الخ	.21
150	الجامع الصحیح	لَا يحل لِامراة تؤمِنُ بَاللهِ وَاليومِ------الخ	.22
172	سنن ابی داؤد	لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا------الخ	.23

فہرست اعلام

نوٹ: اعلام میں صرف اُن شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے متعلق مقالہ میں کوئی حکم یا واقعہ بیان ہوا ہے۔

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1.	حارث بن قیس	36
2.	عبد الرحمٰن بن عوف	60
3.	سید بن مسیّب	69
4.	سعد بن خولہ	144
5.	ثابت بن قیس	167

فہرست اصطلاحات

زیرِ نظر مقالہ میں درج ذیل اصطلاحات استعمال کی گئیں ہیں۔

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
1.	اخیافی	92
2.	اصول و فروع	92
3.	بازیچۂ اطفال	124
4.	خلع	165
5.	طلاقِ رجعی	124
6.	طلاقِ بائن	124
7.	عینی	92
8.	علاتی	92
9.	فسخِ نکاح	171
11.	مصاہرت	89
12.	مہر معجل	69
13.	ھجین	119

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

تفاسیر

1۔ ابنِ کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر، **تفسیر ابن کثیر**، ترجمہ: محمد علی جونا گڑی، مکتبۂ اسلامیہ لاہور، 2009ء

2۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور: 1995ء

3۔ جصاص، ابو بکر احمد بن علی رازی، **احکام القرآن**، ترجمہ: عبد القیوم، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پریس، اسلام آباد، س ن

4۔ سعیدی، غلام رسول، **تبیان القرآن**، فرید بک سٹال، س ن

5۔ سعیدی، غلام رسول، **شرح صحیح مسلم**، (حماد پرنٹرز لاہور 1421ھ / فروری 2001ء)

6۔ سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، ترجمہ: معروف شاہ شیرازی، منشوراتِ اسلامی، 1966ء

7۔ صلاح الدین یوسف، **احسن البیان**، شاہ فہد قرآن کمپلیکس اگست 2011ء

8۔ عطاری، محمد قاسم، **صراط الجنان فی تفسیر القرآن**، (کراچی: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، 144ھ / دسمبر 2018ء

9۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر، **الجامع الاحکام القرآن**، پبلیکیشنز لاہور، ترجمہ: محمد اقبال شاہ گیلانی، 2012ء

10۔ کیلانی، عبد الرحمٰن، **تیسیر القرآن**، مکتبۂ اسلام لاہور، محرالحرام 1432ھ

11۔ مراد آبادی، سید محمد نعیم الدین، **خزائن العرفان فی تفسیر القرآن**، اتفاق پبلیکیشنز عزیز مارکیٹ لاہور، س ن

12۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، س ن

13۔ میاں محمد جمیل، **فہم القرآن**، ابو ہریرہ اکیڈمی لاہور، اشاعت اول: ستمبر 206ء، اشاعتِ دوم: مئی 2014ء

عربی کتب

1۔ ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم، **اسد الغابه فی معرفة الصحابة**، (دار ابنِ حزم: 1443ھ)

2۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، **رد المختار**، (دار المعرفہ۔ بیروت، 1420ھ)

3۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، **سنن أبی داؤد**، (دار احیاء التراث العربی، 1421ھ)

4۔ احمد بن حنبل، **المسند للامام احمد**، (دار الفکر بیروت، 1414ھ)

5۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، **الجامع الصحیح للبخاری**، (دار الکتب العلمیہ بیروت، 1419ھ)

6۔ بیہقی، احمد بن حسین، **السنن الکبریٰ**، (دار الکتب العلمیہ۔ بیروت 1424ھ)

7۔ الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی، **الدر المختار**، (دار المعرفہ۔ بیروت، 1420ھ)

8۔ دارِ قطنی، علی بن عمر، **سنن الدار قطنی**، (مدینۃ الاولیاء، ملتان، س ن)

9۔ الزہری، محمد بن سعد، **الطبقات الکبیر**، (مکتبۃ الخانجی: 1421ھ)

10۔ السرخسی، محمد بن احمد، **المبسوط**، (بیروت: دار المعرفہ، 1414)

11۔ سعیدی، غلام رسول، **شرح صحیح مسلم**، (لاہور: حماد پرنٹرز، 1421ھ / فروری 2001ء)

12۔الشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الأم،(بیروت: دارالفکر، 1410ھ)

13۔الشعیری، محمد بن محمد، جامع الاخبار،(مکتبۂ حیدریہ والنجف دارالعلوم جوادیہ1969ء)

14۔عثمانی، ظفر احمد، **اعلاءالسن**،(کراتشی:ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، س ن)

15۔العسقلانی، ابنِ حجر، احمد بن محمد الکنانی،**الاصابہ فی تمیز الصحابۃ**(، بیروت: دارالکتب العلمیہ،1415ھ/1995ء)

16۔علی متقی بن حسام الدین، **کنز العمال**،(بیروت:دارالکتب العلمیہ، 1419ھ)

17۔القشیری، مسلم بن حجاج،**صحیح مسلم**،(بیرات:دارابن حزم، 1419ھ)

18۔الکاسانی،علاءالدین ابوبکر بن مسعود،**بدائع الصنائع**،(داراحیاءالتراث،1421ھ)

19۔المالکی، محمد بن احمد،**حاشیہ الدسوتی علی شرح الکبیر**،(دارالفکر۔بیروت، س ن)

20۔النمری، ابویوسف بن عبداللہ،**الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب**،

(بیروت:دارالجیل،1412ھ/1992ء)

اردو کتب

1۔اعظمی، محمد امجد علی، **بہارِ شریعت**،(مجلس المدینۃ العلمیہ1430ھ/14 ستمبر2009ء)

2۔امینی، محمد تقی، **اجتہاد**،(کراچی: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام۔باغ، س ن)

3۔البانی، محمد ناصر الدین، **صحیح الترغیب والترہیب**، ترجمہ: محمد ساجد حکیم،(داراعلم،2015ء)

4،پوری، آبادشاہ، **تاریخ جماعتِ اسلامی** حصہ اول،(لاہور: ادارہ معارف اسلامی،2013ء)

5۔تونسوی، ابن رشد، **کتاب النکاح والطلاق**، ترجمہ: تونسوی، عبد الرشید، (دار الکتب سلفیہ، جولائی 2002ء)

6۔جانباز، محمد علی **احکام عدت**، (لاہور: ادارہ جامعۂ رحمانیہ، الطبع الاول: 202ء)

7۔جانباز، محمد علی، **احکام نکاح**، (لاہور: مکتبۂ رحمانیہ، س ن)

8۔چارلس، ڈاکٹر جے ایڈمنز، **تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن ، بشمولہ ابو الاعلیٰ مودودیؒ علمی و فکری** مطالعہ، (لاہور: اداہ معارف اسلامیہ 2006ء)

9۔حافظ محمد اسحاق، **اسلام کا قانونِ طلاق اور اس کا ناجائز استعمال**، (لاہور: مکتبۂ حسین، صدیقیہ کالونی، س ن)

10۔عبد الحکیم شرف الدین، **قرآن حکیم کے اردو تراجم**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 2017ء)

11۔عبد الرحمن عبد، **مفکرِ اسلام سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ**، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1991ء)

13۔عبد الرحمٰن، خان ایم، **عورت انسانیت کے آئینہ میں**، ش (لاہور: بخ اکیڈمی، 1974ء)

14۔عبد الشکور، **تفہیم القرآن علماء کی نظر میں**، (اسلامی کتاب گھر، دہلی، س ن)

15۔گیلانی، سید اسد، **تاریخ جماعتِ اسلامی**، (لاہور: ادارہ المعارفِ اسلامی، 1990ء)

16۔محمد قاسم، **طلاق کے آسان مسائل**، (کراچی: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ الطبع الاول: 2003ء نئی طباعت: 1432ھ / جون 2011ء

17۔محمد منیب الرحمٰن، **تفہیم المسائل**، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2001ء)

18۔محمد یوسف، **مودودی اپنوں اور دوسروں کی نظر میں**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1982ء)

19۔مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **حقوق الزوجین**، (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز 13۔ای شاہ علم مارکیٹ، الطبع الاول: 1943ء)

20۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **تفہیمات**، حصہ دوم، (اسلامی پبلیکیشنز، اگست 2002ء)

فتاویٰ جات

1۔ بنوری، محمد یوسف خلع کے بعد تجدید نکاح، دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، س ن

2۔ طلاق کے مسائل، دارالافتاء، جامعہ اشرفیہ لاہور، فتوی نمبر: 303 س ن

3۔ طلاق و خلع، دارالافتاء دارالعلوم الہند، س ن

4۔ عبد الرب عفی، خلع کی عدت، دارالافتاء، ابو ہریرہ، دسمبر، 2020ء

5۔ عوتوں کے مسائل، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، سوال نمبر: 58558 س ن

برقی اشاعت

1۔ سجاد علی، (اصلاح ریسرچ فاؤنڈیشن) خلع کی عدت) سیالکوٹ، 2020ء

2۔ طارق مسعو، (جامعہ رشدیہ کراچی)، عدالتی خلع کی شرعی حیثیت، 2018ء

3۔ طارق مسعود، مسائل کا حل، میسج ٹی وی، ستمبر 2020ء

4۔ عبد المجید فرخ، خلع کی عدت، 2021ء

5۔ قاسمی، محمد فیاض عالم، نکاح کے اصول و ضوابط، ماہنامہ دارالعلوم شمارہ: 10، درالقضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ممبئی، س ن

انٹرویوز

1۔ قادری، محمد ابراہیم، (خادم الحدیث والافتاء بالجامعہ غوثیہ رضیہ سکھر) صراط الجنان کے، متعلق رائے، انٹرویو کنندہ: محمد اکرام مدنی، 3 جون 2021ء

2۔ قادری، محمد اسماعیل، (شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ بابُ المدینہ کراچی صراط الجنان کے متعلق رائے، انٹرویو کنندہ: محمد اکرام مدنی، 3 جون، 2021ء

3۔ محمد اکرام مدنی (مدرس: جامعۃ المدینہ، بھمبر) انٹرویو کنندہ: محمد ثاقب کیانی، 3 جون،

Websites

1.https:// www.bbcurdu.com/karachi/ 9th Decembe, 2015

2.https:// https:www.data.fr/ark:/12148/cb14608, 19thOctober,2015

3.https//thefatwa.com/9th August, 2016

4.https:// www.urdu mehfil.net/Sulemansubhani Introduction of Mufti Muhammad Qasim Attari /20th may, 2020

5.htts:// www.urdufatwa.com/view/1/23738/ 29 november,2017